آزاد کشمیر میں سیاسی عمل کا ارتقاء ۱۹۷۵ء-۲۰۰۶ء

صائمہ آفتاب*

Abstract

This article entitled 'Evolution of Political Process in Azad Kashmir from 1975 to 2006' focuses on the parliamentary system in Azad Kashmir. During this research it has been tried to expose the nature of parliamentary system, appointment of President and Prime-Minister, Unicameral or bicameral Parliament, relations between government of Azad Jammu & Kashmir and government of Pakistan, influence of Politics of Pakistan on the politics of Azad Kashmir and the role of political parties in political evolution of Azad Jammu & Kashmir.

In this respect books, newspapers, magazines and reports published by government have been consulted.

The implemented interim constitution of Azad Kashmir resembles the Pakistan's constitution of 1973. Only the Electoral College of President is different. President of Azad Kashmir is elected in Joint Session of Legislative Assembly and Kashmir Council. In Presidential elections, the members of Kashmir Council cast their votes. But according to the interim constitution, the Kashmir Council does not have the equal status of Upper House. There is unicameral parliament. The government of Paksitan has the authority to remove the president of Azad Kashmir according to the article 56 of Interim Constitution. Inspite of the existence of Legislative Assembly, Kashmir Council has extensive powers of Legislation. All the activities and political parties against the accession to Pakistan are restricted according to the constitution.

In preview of all these aspects, in this very article the parliamentary system of Azad Kashmir and the resulting political proceses from 1975 to

* لیکچرار، یونیورسٹی کالج آف ایگریکلچر، راولا کوٹ، آزاد کشمیر

2006 have been observed.

The research begins from 1974, because in 1974 the presidential system lasted and a new constitution opted. Which provides the basis for the future political process. In this article, both the above mentioned constitution and consequent political proceses have been studied.

خلاصہ

اس تحقیق کا مقصد آزاد کشمیر میں پارلیمانی نظام کا جائزہ لینا ہے۔ آزاد کشمیر کے قیام (۱۹۴۷ء) کے 27 سال بعد سیاسی جماعتوں کے شدید مطالبے کے بعد آزاد کشمیر کے لیے عبوری آئین ۱۹۷۴ء کے تحت پارلیمانی نظام رائج کیا گیا، جو تا حال قائم ہے۔ دورانِ تحقیق پارلیمانی نظام کی نوعیت، صدر اور وزیراعظم کے انتخاب کا طریقہ کار، ایک یا دو ایوانی مقننہ، پاکستان کی حکومتوں کے آزاد کشمیر کی حکومتوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، پاکستان کی سیاست کے آزاد کشمیر کی سیاست پر اثرات اور سیاسی جماعتوں کا آزاد کشمیر کے سیاسی ارتقاء میں کردار واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس موضوع پر کتابوں، اخبارات، رسائل اور سرکاری رپورٹوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

آزاد کشمیر میں نافذ عبوری آئین ایکٹ ۱۹۷۴ء پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین کی طرز پر ہی ہے۔ صرف صدر کے انتخاب کا طریقہ کار مختلف ہے۔ صدر کو کشمیر کونسل اور قانون ساز اسمبلی کے مشترکہ اجلاس میں منتخب کیا جاتا ہے۔ صدر کے انتخاب میں کشمیر کونسل کے اراکین ووٹ ڈالتے ہیں۔ جبکہ عبوری آئین کی رو سے کشمیر کونسل کو ایوانِ بالا کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ ایک ایوانی مقننہ ہے۔ حکومت پاکستان دفعہ ۵۶ کا استعمال کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں صدارت کے منصب پر فائز شخص کو ہٹا سکتی ہے۔ قانون ساز اسمبلی کے قیام کے باوجود کشمیر کونسل کو آزاد کشمیر کے لیے قانون سازی کا اختیار حاصل ہے۔ الحاق پاکستان کی مخالف سرگرمیوں اور سیاسی جماعتوں پر آئین کے تحت پابندی ہے۔

ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے زیر نظر مقالے میں آزاد کشمیر کے پارلیمانی نظام اور اُس کے تحت روبہ کار آنے والے ۱۹۷۵ء سے ۲۰۰۶ء تک کے سیاسی عمل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ۱۹۷۴ء کا انتخاب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سال آزاد کشمیر میں ایک نئے دستور کو اختیار کیا گیا جو مستقبل کے سیاسی عمل کی بنیاد بنا۔ اس مقالے میں مذکورہ آئین اور اس کے زیر اثر جاری رہنے والے سیاسی عمل دونوں کا مطالعہ شامل ہے۔

پس منظر

کشمیر ہندوستان کی ۵۶۲ ریاستوں میں سے ایک ریاست تھی۔[۱] اس کا رقبہ ۸۴۴۷۱ مربع میل تھا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ مختلف حکمرانوں کے تحت رہی۔ ۱۸۴۶ء میں معاہدہ امرتسر کے تحت انگریزوں نے اسے ڈوگروں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ ڈوگرہ دور ۱۹۴۷ء تک ۱۰۱سال قائم رہا۔ کشمیری مسلمانوں کی تاریخ میں ڈوگرہ دور بدترین دور کہلاتا ہے۔[۲]

کشمیری مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہت ابتر تھی۔ انہیں سیاسی حقوق بھی حاصل نہیں تھے۔ مسلمانوں کے شدید مطالبے کے بعد ۱۹۳۱ء میں ریاست کی قانون ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت مسلم کانفرنس قائم کی گئی۔

۳جون ۱۹۴۷ء کے منصوبے کے تحت ہندوستان کی ریاستوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ وہ دونوں نئی مملکتوں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے یا خود مختار حیثیت قائم کرنے میں آزاد تھیں۔ ۱۵اگست ۱۹۴۷ء تک جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر کے سوا باقی تمام ریاستوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا۔جبکہ اس کا سربراہ ہری سنگھ ڈوگرہ ہندو تھا۔ اس نے فیصلہ کرنے میں تاخیر سے کام لیا۔ اسی اثناء میں ضلع پونچھ کے عوام نے ڈوگرہ فوج کی بربریت کے خلاف بغاوت کر دی۔ اگلے چند ہی دنوں میں کشمیر کے دیگر علاقوں میں بھی ڈوگرہ فوج کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ قبائلی بھی کشمیریوں کی مدد کے لیے آ گئے۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان سے مدد مانگی اور کشمیر کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کر دیا۔ ۲۷اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی افواج کشمیر میں داخل ہو گئیں۔ اس سے قبل ۲۴اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیری حریت پسندوں نے پونچھ، میرپور اور مظفرآباد وغیرہ کے علاقوں کو آزاد کراتے ہوئے ایک آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔[۳]

اس آزاد حکومت کے پہلے باقاعدہ صدر سردار محمد ابراہیم خان تھے۔حکومت نے انتہائی نامساعد حالات میں کام شروع کیا۔ ابتداء میں آزاد حکومت عبوری بنیادوں پر قائم کی گئی تھی۔ تقریباً ۶ ماہ کے عرصے میں اس کے تمام محکمے باقاعدگی سے کام کرنے لگے۔ یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان نے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں پیش کر دیا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق یہ طے پایا کہ کشمیر میں استصواب رائے کرایا جائے گا۔[۴]

آزاد حکومت کے صدر اور اس کی کابینہ کی تقرری اور علیحدگی کا کوئی آئینی طریقہ کار متعین نہیں تھا۔ استصواب رائے کے انعقاد کی امید کے پیش نظر انتخابات کا انعقاد بھی ممکن نہ تھا۔

مسلم کانفرنس کی طویل جدوجہد کے باعث آزاد کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا، چنانچہ کسی آئینی اور قانونی ادارے کی عدم موجودگی میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کو ہی الیکٹرول کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک آزاد کشمیر کے صدر کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نامزد کرتی رہی۔ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے ذریعہ نامزد ہونے والے صدور میں سردار ابراہیم (۱۹۴۷ء)، ۵ کرنل سیّد علی احمد شاہ (۱۹۵۰ء)، میر واعظ مولوی یوسف شاہ (۱۹۵۱ء)، کرنل شیر احمد (۱۹۵۲ء)، میرواعظ مولوی یوسف شاہ (۱۹۵۶ء)، سردار عبدالقیوم (۱۹۵۶ء)، سردار ابراہیم بار دوم (۱۹۵۷ء)اور خورشید حسن خورشید(۱۹۵۹ء) شامل تھے۔ ۶

۱۹۴۷ء کے بعد آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کے علاوہ اور بھی سیاسی جماعتیں قائم ہوئیں۔ ان میں کچھ جماعتوں کا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔ کچھ جماعتوں کا عوام سے مؤثر رابطہ نہیں تھا۔ گزشتہ کئی سالوں سے آزاد کشمیر کی سیاست میں پیپلز پارٹی اور کل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سرگرم عمل ہیں۔

۱۹۶۱ء میں پہلی مرتبہ مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بجائے بی ڈی نظام کے ذریعہ آزاد جموں وکشمیر گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۶۰ء کے تحت آزاد کشمیر کے صدر اور ۱۲ رکنی سٹیٹ کونسل کا انتخاب کیا گیا۔ بی ڈی (بیسک ڈیموکریسی/ بنیادی جمہوریت)نظام کے تحت دوسرے انتخابات ۱۹۶۷ء میں ہوئے۔

ایکٹ ۱۹۶۴ء کے تحت آزاد کشمیر میں صدارتی انتخابات اور مہاجرین جموں و کشمیر مقیم پاکستان کی نمائندگی ختم کر دی گئی۔ سٹیٹ کونسل کا چیئرمین آزاد کشمیر کا صدر کہلاتا تھا۔ سٹیٹ کونسل کے اراکین کی تعداد ۸ کر دی گئی۔ وزارت امور کشمیر کا سیکرٹری حکومت آزاد کشمیر کا چیف ایڈوائزر مقرر ہوا۔ جس کو صدر کی نامزدگی کا اختیار بھی حاصل تھا۔ ایکٹ ۱۹۶۸ء کے تحت سٹیٹ کونسل کے اراکین کی تعداد پھر ۱۲ کر دی گئی۔ جن میں سے ۴ سٹیٹ کونسلروں کو پاکستان میں مقیم کشمیری مہاجرین نامزد کرتے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں ایکٹ ۱۹۷۰ء کے تحت آزاد کشمیر میں پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر صدر حکومت اور قانون ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ اسمبلی ۲۵ اراکین پر مشتمل تھی۔ اِن میں ایک خاتون رکن بھی تھیں۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۴ء تک مجموعی طور پر آزاد کشمیر میں صدارتی نظام رہا۔

۱۹۶۱ء میں بی ڈی نظام کے تحت پہلے انتخابات ہوئے۔ جس میں خورشید حسن خورشید دوبارہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے۔ ۷ یہ آزاد کشمیر کے پہلے منتخب صدر کہلاتے ہیں۔ بی ڈی نظام کے تحت ۱۹۶۸ء میں صدارتی انتخابات میں سٹیٹ کونسل کے اراکین کے ووٹوں سے خان عبدالحمید خان دوبارہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے۔ پاکستان میں ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد

آزاد کشمیر میں ریٹائرڈ بریگیڈئیر عبدالرحمٰن کو عبوری دور کے لیے صدر بنایا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں آزاد کشمیر میں پہلی مرتبہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات ہوئے۔ جس میں سردار عبدالقیوم خان کامیاب ہوئے۔ ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کی کامیابی کے بعد آزاد کشمیر اسمبلی کے اسپیکر منظر مسعود نے عبوری دور کے لیے یہ عہدہ سنبھالا۔ اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں آزاد کشمیر میں پارلیمانی نظام کے تحت انتخابات ہوئے۔ ۸

۱۹۷۴ء میں آزاد کشمیر کے لیے عبوری آئین ۱۹۷۴ء بنایا گیا۔ جس میں پارلیمانی جمہوری نظام متعارف کروایا گیا۔ اس کے تحت آزاد کشمیر کے وزیراعظم، صدر، اسپیکر اسمبلی، ۱۵ اراکین پر مشتمل آزاد جموں و کشمیر کونسل اور ۴۲ اراکین پر مشتمل قانون ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ کشمیر کونسل کے قیام کے بعد پاکستان براہ راست آزاد کشمیر کے معاملات کی انجام دہی میں شامل ہونے لگا۔ اس آئین کے تحت آزاد کشمیر کے صدر کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ جسے بعد میں پہلے ترمیمی ایکٹ کے ذریعے تبدیل کر دیا گیا۔ اب آزاد کشمیر کے صدر کو قانون ساز اسمبلی اور کشمیر کونسل کے ممبران کے ووٹوں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ آزاد کشمیر اسمبلی کے اراکین کی تعداد بھی ۴۹ کر دی گئی ہے۔ عبوری آئین کے تحت پارلیمانی جمہوری نظام کے قیام سے تمام سیاسی جماعتوں کے مطالبے کی تکمیل بھی ہوئی۔ ۹

صدر سردار ابراہیم اور وزیراعظم خان عبدالحمید خان کا دور حکومت ۱۹۷۵ء-۱۹۷۸ء

سردار ابراہیم ۵ جون ۱۹۷۵ء سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء تک صدارت کے منصب پر فائز رہے۔ سردار ابراہیم بالغ رائے دہی کی بنیاد پر صدر منتخب ہوئے تھے۔ آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے چیف جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف نے ان سے حلف لیا۔ خواجہ محمد امین مختار کو ان کا سینئر صدارتی مشیر مقرر کیا گیا تھا۔

خان عبدالحمید خان بحیثیت وزیراعظم آزاد کشمیر ۵ جولائی ۱۹۷۵ء سے ۶ اگست ۱۹۷۷ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے ۵ جولائی کو صدرِ آزاد کشمیر سردار ابراہیم کے سامنے اپنے عہدے کا حلف لیا۔ ۱۰

خان عبدالحمید خان کا تعلق ابتداء میں مسلم کانفرنس سے تھا۔ پیپلز پارٹی کے آزاد کشمیر میں قیام کے بعد وہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ ۱۱ اس الیکشن میں پیپلز پارٹی کے مدمقابل کسی دوسری سیاسی جماعت نے حصہ نہیں لیا اور پیپلز پارٹی بلا مقابلہ کامیاب قرار پائی۔ خان عبدالحمید خان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر شاخ کے سربراہ تھے۔ انہیں اسمبلی پارٹی کا لیڈر بنایا گیا اور وہ آزاد کشمیر کے وزیراعظم منتخب

ہوئے۔ ان کی کابینہ میں راجہ ممتاز حسین راٹھور سینئر وزیر، چودھری غلام احمد رضا، میاں غلام رسول، لیفٹیننٹ خان بہادر خان اور چودھری صحبت علی بطور وزراء اور مسٹر ایم۔اے حفیظ، کرنل نقی محمد خان اور چودھری فرمان علی بحیثیت مشیر شامل تھے۔[۱۲] کرنل منشاء خان اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہوئے۔

نئے آئین کے مطابق کشمیر کونسل کا ڈھانچہ تشکیل دیا گیا۔ اس کے چیئرمین وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو اور وائس چیئرمین صدرِ آزاد کشمیر سردار ابراہیم خان تھے۔چوہدری نور حسین، بریگیڈیئر حبیب الرحمان، میرواعظ محمد احمد، چوہدری محمد عبداللہ، میر محمد بشیر اور ملک محمد اسلم کو چیئرمین کا مشیر مقرر کیا گیا تھا۔ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ارکان بھی اس میں شامل تھے۔

صدر آزاد کشمیر سردار ابراہیم کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہوا تھا لیکن وزیراعظم کے انتخاب کے بعد سارے اختیارات وزیراعظم کو منتقل ہو گئے اور سردار ابراہیم کی حیثیت محض آئینی سربراہ کی ہو گئی تھی۔ سردار ابراہیم کو اس کا احساس شدت سے ہو رہا تھا۔ انتظامی معاملات میں سردار ابراہیم اور عبدالحمید خان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے، جس کی وجہ سے لوگوں کو انتظامی معاملات میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سردار ابراہیم کے حلقے کے لوگ جب درخواستیں لے کر ان کے پاس جاتے تو انہیں جواب ملتا کہ سارے اختیارات وزیراعظم کے پاس ہیں۔ سادہ لوح لوگ تو خاموش ہو جاتے تھے مگر پڑھے لکھے اور باشعور لوگ سردار ابراہیم سے کہتے کہ آپ نے اس بے اختیار صدارت کے لیے سردار قیوم کے ساتھ اتنی لڑائی کیوں کی، اگر آپ اکھٹے رہتے تو حکومت اور اختیارات آپ کے پاس ہوتے مگر ان باتوں کا سردار ابراہیم کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سردار ابراہیم ان حالات سے دلبرداشتہ تھے۔ الیکشن سے پہلے شاید وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر صدر منتخب ہوں گے تو اختیارات ان کے پاس رہیں گے۔ ممکن ہے کہ بھٹو صاحب نے انہیں اس کی یقین دہانی بھی کرائی ہو لیکن الیکشن کے بعد سارے اختیارات وزیراعظم کے سپرد کر دیئے گئے تھے اور سردار ابراہیم محض آئینی صدر بن کر رہ گئے تھے۔

اپریل ۱۹۷۵ء میں سردار قیوم آزاد کشمیر کی صدارت سے الگ ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے پورے پاکستان اور آزاد کشمیر میں عوام کے ساتھ رابطہ مہم شروع کی اور عوام کو بتایا کہ آزاد کشمیر میں ہونے والے یہ الیکشن، جن کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کی حکومت برسراقتدار آئی تھی، دھاندلی پر مبنی ہیں، ان کا کہنا تھا کہ اس کے خلاف تحقیقات کے لیے ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج مقرر کیے جائیں۔ انہوں نے پاکستان میں آزاد کشمیر کے انتخابات کو دھاندلی پر مبنی قرار دے کر رائے عامہ کو اپنے حق میں

ہموار کیا۔ اس کے بعد سردار قیوم نے آزاد کشمیر میں بھی جلسے جلوس کر کے حکومت پر تنقید شروع کر دی۔ جس سے آزاد حکومت پریشان ہوگئی۔ آزاد حکومت نے اپنے لیے مشکلات کے پیش نظر حکومت پاکستان سے مشورہ کے بعد ڈیفنس رولز کے تحت سردار قیوم کو ان کے گاؤں غازی آباد میں نظر بند کر دیا۔ یہ نظر بندی تین مہینوں کے لیے تھی۔ اس میں توسیع ہوتی رہی۔[۱۳]

سردار قیوم کو اکتوبر ۱۹۷۵ء میں نظربند کیا گیا تھا۔ ۱۹۷۶ء میں انہیں ڈسٹرکٹ جیل پونچھ (پلندری) میں منتقل کر دیا گیا۔ ایک عرصہ تک وزیراعظم آزاد کشمیر عبدالحمید خان ان کی گرفتاری کی وجوہات سے لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ جب اسمبلی میں یہ سوال اٹھا تو انہوں نے جو وجوہات بیان کیں وہ خود عبدالحمید خان کے لیے نقصان دہ تھیں اور انہیں اسمبلی کے ریکارڈ سے حذف کرنا پڑا۔ تاہم بعد ازاں یہی وجوہات انہوں نے راولپنڈی میں پریس کانفرنس میں بیان کیں اور پیپلز پارٹی کے تین کارکنوں نے اخبار نویسوں سے انہیں نہ شائع کرنے کی درخواست کی۔[۱۴] سردار قیوم ۱۳ ماہ جیل میں رہے۔[۱۵] ان کی عدم موجودگی میں سردار سکندر حیات خان مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔[۱۶]

مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر سکندر حیات خان نے رٹ درخواست کے ذریعے سردار قیوم کی نظربندی کو چیلنج کیا۔ سماعت کے بعد آزاد کشمیر ہائیکورٹ نے نظربندی کے احکامات کو درست قرار دیا اور رٹ درخواست مسترد کر دی۔ سکندر حیات نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔ اپیل کی سماعت کے بعد سپریم کورٹ کے ڈویژن بنچ کے فیصلے کے مطابق سردار قیوم کی نظربندی کو بدنیتی پر مبنی قرار دیتے ہوئے کہا گیا کہ حکومت سائل کو ۲ہزار روپے بطور فیس وکیل بھی ادا کرے گی۔ فیصلے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ آزاد کشمیر کے عبوری آئین کے تحت جلد از جلد گرفتاری کی وجوہات سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ سردار قیوم کو ۶ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو گرفتار کیا گیا اور یکم مارچ ۱۹۷۶ء کو وجوہات سے پہلی بار آگاہ کیا گیا۔ یہ آئین کی خلاف ورزی تھی۔[۱۷] ۲۴جون ۱۹۷۷ء کو سردار قیوم رہا ہو کر واپس مظفرآباد آئے۔[۱۸]

ذوالفقار علی بھٹو نے سردار ابراہیم کو اپنی جماعت پیپلز پارٹی میں مدغم کر کے آزاد کشمیر حکومت کی دو عملی نظام ختم کرنے کا مشورہ دیا۔ ۲۰ جون کو سردار ابراہیم نے مسلم کانفرنس کے اپنے گروپ کا اجلاس راولپنڈی میں بلایا اور مجلس عاملہ کے اراکین سے ادغام کے بارے میں گفت و شنید کی اور اس کے فوائد اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ کچھ اراکین نے اس کی حمایت کی جبکہ کچھ اراکین نے شکوک وشبہات

کا اظہار کرتے ہوئے اس کی مخالفت کی۔ سردار ابراہیم بھٹو کو یقین دلا چکے تھے، چنانچہ مسئلہ جنرل کونسل میں پیش کیا گیا۔ جنرل کونسل نے سردار ابراہیم کو کشمیریوں کے نصب العین آزادی کے حصول کی خاطر اپنے گروپ مسلم کانفرنس کو پیپلز پارٹی میں مدغم کرنے کا اختیار دے دیا۔ اس کے بعد راولپنڈی میں سردار ابراہیم کے گروپ کے کارکنوں اور آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں سردار ابراہیم اپنے گروپ سمیت پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ خورشید حسن خورشید نے بھٹو صاحب سے کہہ رکھا تھا کہ اگر سردار ابراہیم اپنی جماعت پیپلز پارٹی میں مدغم کریں گے تو وہ بھی لبریشن لیگ کا پیپلز پارٹی میں ادغام دیں گے۔ چنانچہ ستمبر کے مہینے میں انہوں نے ''آزاد کشمیر کو تسلیم کرو'' کا نعرہ واپس لے کر لبریشن لیگ پیپلز پارٹی میں مدغم کر دی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے جنوری ۱۹۷۷ء میں پاکستان میں انتخابات کا اعلان کیا۔ پاکستان کے ان انتخابات میں آزاد کشمیر کی پوری مشینری متحرک رہی۔ انتخابی مہم میں سردار سکندر حیات خان نے آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی نمائندگی کرتے ہوئے بھرپور کردار ادا کیا۔ پاکستان کے قومی اتحاد کا جھنڈا نوستاروں والا تھا اور اس میں نواں ستارہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس تھی۔ پیپلز پارٹی کی کامیابی کے لیے لیڈروں نے سردار ابراہیم کی قیادت میں پاکستان کے دورے کرتے ہوئے لوگوں سے اپیلیں کیں۔ انتخابی نتائج کے بعد پیپلز پارٹی کے امیدوار کامیاب قرار پائے۔ اتحادی لیڈروں نے نتائج کو مسترد کرتے ہوئے پورے پاکستان میں مظاہرے شروع کر دیئے۔ بگڑتے ہوئے حالات کے باعث بھٹو صاحب نے تمام نمایاں لیڈر گرفتار کروا دیئے۔ جن دنوں پاکستان میں یہ ہنگامے چل رہے تھے سردار قیوم خان پلندری جیل میں تھے۔ بھٹو پاکستان کی جیلوں میں نظربند لیڈروں سے گفت و شنید کرنا چاہتے تھے لیکن اس کے لیے انہیں ایک بااثر شخصیت کی ضرورت تھی، جو تمام لیڈروں کو گفت و شنید کے لیے آمادہ کرے اور انہیں ایک نقطے پر اکٹھا کر سکے۔ بھٹو صاحب کو ان کے مشیروں نے سردار قیوم سے رابطے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں سردار قیوم سے پلندری جیل میں رابطہ کیا گیا اور انہیں ایک خصوصی طیارہ فراہم کیا گیا تا کہ وہ کراچی، سکھر، ملتان، میانوالی، پشاور اور راولپنڈی کی جیلوں میں مقید لیڈروں سے رابطہ کر سکیں۔[۱۹] سیاسی لیڈروں کے ساتھ اس رابطے کے مثبت نتائج برآمد نہ ہو سکے۔[۲۰]

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو پاکستان کی مسلح افواج نے ملک کا نظم و نسق سنبھالا۔ آزاد کشمیر کا معاملہ

کورکمانڈر لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی کے سپرد ہوا۔ انہوں نے ۱۲جولائی ۱۹۷۷ء کو آزاد کشمیر کے سیاسی مستقبل کے حل کے لیے چار بڑی سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر، آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس، جماعت اسلامی آزاد جموں و کشمیر اور آزاد مسلم کانفرنس کے راہنماؤں سے ملاقات کی اور رپورٹ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو پیش کی۔ جس کے بعد جنرل ضیاء نے ان سیاسی جماعتوں کے سربراہوں سے الگ الگ ملاقات کی۔ ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء کو ضیاء الحق نے آزاد کشمیر کی پارلیمانی پارٹیوں کے لیڈروں کی فائنل میٹنگ بلائی۔ جس میں سب جماعتوں کے اتفاق سے ایک معاہدہ عمل میں آیا۔ جس میں طے پایا کہ آزاد کشمیر کے لیے ایک سابق صدر ریٹائرڈ میجر جنرل عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کا انتظام و انصرام سنبھالنے کے لیے چیف ایگزیکٹو مقرر کیا جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ آزاد کشمیر کے نئے انتخابات اکتوبر کے آخری ہفتے میں فوج اور عدلیہ کی زیرنگرانی کرائے جائیں گے۔ ۱۰ اگست کو صدرِ مملکت نے ایک فرمان جاری کیا جس کے مطابق اسمبلی توڑ دی گئی۔ وزیراعظم، وزراء، اسپیکر اسمبلی، مشیر، ارکانِ اسمبلی اور ارکانِ کونسل سب سبکدوش ہو گئے۔ میجر جنرل عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کی انتظامیہ کا عبوری دور کے لیے سربراہ مقرر کیا گیا [۲۱] اگرچہ سردار ابراہیم اپنے عہدے پر برقرار رہے، تاہم ان پر پابندی تھی کہ وہ اس عہدے پر رہتے ہوئے انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے۔[۲۲]

میجر جنرل عبدالرحمٰن کا دوسرا دور (اگست- نومبر ۱۹۷۷ء)

بریگیڈیئر (بعد میں جنرل) عبدالرحمٰن آزاد کشمیر کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے ۷ اگست ۱۹۷۷ء سے ۷ نومبر ۱۹۷۷ء تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

ان کی نامزدگی اس بنیاد پر کی گئی تھی کہ ان کی زیرنگرانی آزا دکشمیر میں غیر جانبدارانہ انتخابات کروائے جائیں گے۔[۲۳] جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کے وقت عوام کو اس بات کی یقین دہانی کروائی تھی کہ نوے دن کے اندر پاکستان میں اسمبلی کے انتخابات کرا کر اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ دیا جائے گا۔ آزاد کشمیر کے لیے یہ طے کیا گیا تھا کہ پاکستان کے انتخابات کے دس دن بعد آزاد کشمیر میں انتخابات منعقد کروائے جائیں گے۔ اسی وجہ سے آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کی حکومت ختم کر کے اقتدار جنرل ریٹائرڈ عبدالرحمٰن کے سپرد کیا گیا تھا۔[۲۴]

جنرل عبدالرحمٰن نے اعلان کیا کہ آزاد کشمیر میں انتخابات لڑنے والے تمام امیدواروں کو اپنے اثاثے ظاہر کرنے ہوں گے۔ آزاد کشمیر کی سیاست میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پاکستان میں قومی اتحاد

کی طرح ''جموں و کشمیر قومی اتحاد'' معرضِ وجود میں آیا۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس پاکستان کے قومی اتحاد میں تو شامل تھی مگر ریاست کے قومی اتحاد میں شامل نہیں تھی۔ یہ چھ جماعتوں کا اتحاد تھا۔ اس میں جماعت اسلامی آزاد جموں و کشمیر، تحریک استقلال آزاد کشمیر، جموں و کشمیر محاذ رائے شماری، جمعیت العلماء جموں و کشمیر اور جمعیت اہل حدیث شامل تھے۔ ان چھ جماعتوں نے متفقہ طور پر جماعت اسلامی کے امیر مولانا عبدالباری کو قومی اتحاد کا صدر منتخب کیا۔ اس اتحاد کی بنیاد ان ۹ اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ (۱) آزاد کشمیر میں نظام شریعت کا مکمل نفاذ کرنا، (۲) تحریک آزادی کشمیر کی تکمیل کے لیے تاریخی و سیاسی پس منظر میں عملی جدوجہد کرنا ، (۳) آزاد کشمیر میں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ حکومت اور اسمبلی کو آئینی تحفظ مہیا کرنا، (۴) گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر میں شامل کر کے آزاد حکومت اور اسمبلی میں ترجیحی بنیادوں پر نمائندگی دینا، (۵)جموں وکشمیر کی وحدت قائم رکھنا، تقسیم کشمیر کی کسی تجویز کو قبول نہ کرنا، (٦) آزاد کشمیر کی موجودہ انتظامیہ کو ختم کر کے اسے کشمیر کے حسبِ حال بنانا، (۷) آزاد کشمیر کے عوام کا تعلیمی، دینی، اخلاقی اور معاشرتی معیار بلند کرنا، ریاست کے ہر باشندے کو روزگار مہیا کرنے کی ضمانت دینا، (۸) معذوروں، یتیموں اور بیواؤں کے لیے سرکاری خزانے سے وظائف مقرر کرنا، (۹) بین الاقوامی طور پر مسلمہ حق خودارادیت کے اصولوں پر ریاستی باشندوں کی مرضی کے مطابق مقبوضہ کشمیر کی آزادی اور ساری ریاست کے مستقبل کا تعین کرنا۔ اِن اصولوں پر قومی اتحاد نے انتخابات میں بھرپور حصہ لینے کا اعلان کیا۔[۲۵]

اسی دوران جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں احتساب کا سلسلہ شروع کر دیا، جس کی وجہ سے انتخابات کا معاملہ طویل عرصہ کے لیے التواء میں چلا گیا۔ چنانچہ اس بے یقینی کیفیت کے باعث جنرل عبدالرحمٰن نے اقتدار سے علیحدگی اختیار کر لی اور اِن کی جگہ بریگیڈئیر محمد حیات خان کا انتخاب کیا گیا۔[۱۷]

بریگیڈئیر عبدالرحمٰن نے اپنے اس مختصر ترین دورِ حکومت میں ایک اہم فیصلہ یہ کیا کہ آزاد کشمیر میں ریٹائرمنٹ کی حد عمر ۵۵سال سے بڑھا کر۶۰ سال کر دی۔ اس سے کم از کم ۲۵ ہزار ملازمین کو مدت ملازمت میں اضافہ اور پنشن کے سلسلے میں فائدہ ہوا۔[۲٦]

جنرل ریٹائرڈ محمد حیات خان کا دور ۱۹۷۷ء۔۱۹۸۳ء

جنرل ریٹائرڈ محمد حیات خان کا دور ۷ نومبر ۱۹۷۷ء سے ۳۰ جنوری ۱۹۸۳ء پر محیط تھا۔ انہوں نے آزاد کشمیر کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے ۷ نومبر کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا[۲۷] اور سوا پانچ سال

تک آزاد کشمیر کے بلاشرکت غیرے منتظم اعلیٰ رہے۔۲۸

آزاد کشمیر کے لیے طے پایا تھا کہ پاکستان میں انتخابات کے دس دن کے اندر آزاد کشمیر میں انتخابات کاانعقاد کروایا جائے گا۔ لیکن بے یقینی کیفیت کے باعث جنرل عبدالرحمٰن نے اقتدار سے علیحدگی اختیار کر لی۔ چنانچہ ان کی جگہ بریگیڈیئر محمد حیات خان کو منتخب کیا گیا۔ یہ اس وقت مانسر کیمپ میں حاضر سروس بریگیڈیئر تھے۔ بعد میں جنرل ریٹائرڈ ہوئے۔ یہ راولاکوٹ کے ایک قریبی گاؤں چھوٹا گلہ کے مقامی تھے اور سدھن قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

جنرل محمد حیات خان کے منتظم اعلیٰ بننے کے بعد انہیں کورکمانڈر جنرل فیض علی چشتی کی طرف سے ہدایات دی گئیں کہ وہ آزاد کشمیر کے تمام سابق صدور، ارکان اسمبلی، وزیروں، مشیروں اور اعلیٰ حکام کا احتساب کرائیں۔۲۹

تقریب حلفِ وفاداری کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے جنرل حیات نے کہا کہ احتسابی عمل بھی انتخابات سے تعلق رکھتا ہے۔ زندگی کے جس شعبے میں محاسبے کی ضرورت ہو گی وہیں یہ عمل کیا جائے گا۔ مزید انہوں نے کہا کہ وہ انتخابات کا عمل جلد مکمل کرانے کی پوری کوشش کریں گے کیونکہ وہ اقتدار سیاست دانوں کے ہاتھوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ مارشل لاء انتظامیہ کے انتخابی سیل اور آزاد کشمیر کے معاملات کے انچارج لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی نے بھی ۸ نومبر ۱۹۷۷ء کومظفرآباد کے دورے کے دوران پریس کانفرنس میں کہا کہ سیاستدانوں یا افسروں میں سے جو بھی بدعنوانی کا مرتکب پایا گیا۔ اس کے خلاف مناسب کاروائی کی جائے گی۔

چنانچہ ماضی قریب میں آزاد کشمیر کے جن سیاست دانوں اور سرکاری ملازموں کے خلاف بدعنوانیوں کے الزامات تھے، ان کے محاسبے کا آغاز کرتے ہوئے حکومت آزاد کشمیر نے سیاست دانوں، سرکاری افسروں اور محکموں سے متعلق کئی تحقیقاتی کمیشن قائم کیے۔ جس کے ذمے ان متعلقہ افراد پر قومی سرمائے کے خرد برد، غبن، اختیارات کے ناجائز استعمال اور دوسرے الزامات کی تحقیقات کرنا تھا۔ ان کمیشنوں کا اعلان جنرل محمد حیات خان نے پریس کانفرنس کے ذریعے کیا۔ بدعنوان سیاسی و سرکاری افراد کے علاوہ جو محکمے اور فنڈز تحقیقات کی فہرست میں آ رہے تھے ان میں پیپلزورکس پروگرام، محکمہ اوقاف، عالمی ادارہ خوراک، مربوط دیہی ترقیاتی پروگرام، اختیارتی فنڈز، پولیس ویلفیئر فنڈز، میرپور ڈیویلپمنٹ اتھارٹی، ٹرانسپورٹ اتھارٹی، آزاد کشمیر جنرل اینڈ انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کارپوریشن، بلدیاتی ادارے، محکمہ تعمیرات عامہ، برقیات، سول سپلائز، آزاد جموں و کشمیر تعلیمی بورڈ، میرپور اور کیڈٹ کالج

پلندری وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ حکومت نے آزاد جموں و کشمیر کونسل اور قانون ساز اسمبلی آزاد کشمیر کے تمام سابق ممبروں، صدر کے سابق معاونوں، وزیراعظم کے مشیروں اور وزیروں کے خلاف ان کے دورِ اقتدار کی مبینہ بدعنوانیوں، دھاندلیوں اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے سلسلے میں تحقیقات کے احکام جاری کیے۔

آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس مطالبہ کر رہی تھی کہ آزاد کشمیر کی رائے شماری فہرستیں ۱۹۶۹ء میں تیار کی گئی تھیں۔ اب سات سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اگر فہرستیں دوبارہ تیار نہ کی گئیں تو نوجوانوں کی کافی تعداد رائے دہندگی سے محروم رہے گی اور سات سال کے عرصہ میں وفات پانے والوں کے ناموں کو خارج کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے فہرستیں از سرنو مرتب کی جائیں اور یہ کہ احتسابی عمل مکمل کر کے مارچ یا اپریل ۱۹۷۸ء تک انتخابات کرائے جائیں۔۳۰

انتخابات کے لیے نئی ووٹر لسٹوں کی تیاری کا کام یکم جنوری ۱۹۷۸ء سے شروع کیا گیا۔ سابقہ بدعنوانیوں، دھاندلیوں اور بے ضابطگیوں کے احتسابی عمل کی رفتار بھی تیز ہوتی گئی۔ جنرل حیات نے تمام محکموں کے سربراہوں کو تحقیقاتی کمیشنوں سے تعاون کرنے کی ہدایت کی۔۳۱ احتساب کے عمل سے سیاستدان جنرل حیات خان کے خلاف ہو گئے اور فضاء میں ایک کھچاؤ پیدا ہو گیا جو رفتہ رفتہ بڑھتا چلا گیا۔۳۲

آزاد کشمیر کے تمام لیڈروں کی رضامندی اور جنرل ضیاء الحق کی منظوری سے سردار ابراہیم بدستور آزاد کشمیر کے صدر کے عہدے پر فائز تھے۔ سردار ابراہیم پر امید تھے کہ پاکستان میں ۹۰ دن کے اندر اندر الیکشن ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک صدارتی آرڈیننس جاری کیا کہ آزاد کشمیر کا کوئی سابق مشیر چاہے وہ صدر کا ہو یا وزیراعظم کا، دو سال تک آزاد کشمیر اسمبلی کے انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ وزیرامورِ کشمیر نے انہیں یہ آرڈیننس واپس لینے کو کہا لیکن سردار ابراہیم نہ مانے، دراصل اس آرڈیننس سے ان کو سابق وزیراعظم آزاد کشمیر خان عبدالحمید خان کے مشیر کرنل نقی کو روکنا مقصود تھا۔

جنرل محمد حیات خان کے ساتھ سردار ابراہیم کے تعلقات ابتداء میں ہی کشیدہ ہو گئے۔ ''دو تلواروں کے ایک نیام میں نہ سمانے والا معاملہ تھا''۔ جنرل حیات کے آنے کے بعد سردار ابراہیم کو اپنی صدارت غیر محفوظ لگنے لگی، حالانکہ ان کی تقرری سردار ابراہیم کے دستخطوں سے ہی ہوئی تھی۔ سردار ابراہیم نے ایک نقطہ یہ اٹھایا کہ جنرل حیات خان اور وہ ایک ہی علاقے اور ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، یہ آزاد کشمیر کے منتظم اعلیٰ ہیں اور میں صدر ہوں۔ یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس چیز

کو دوسرے قبائل کے لوگ محسوس کریں گے، لہٰذا ان کی جگہ کسی دوسرے علاقے اور قبیلے کے شخص کو متعین کیا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ بریگیڈئیر محمد حیات خان فوج میں حاضر سروس ہیں اور آزاد کشمیر میں مارشل لاء کا اطلاق نہیں ہے اس لیے یہ آزاد کشمیر میں منتظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز نہیں رہ سکتے۔ یہ دونوں باتیں پاکستان کے مارشل لاء حکام اور جنرل فیض علی چشتی (وزیر امورِ کشمیر) کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ جنرل چشتی نے سردار ابراہیم کی اقتدار سے علیحدگی کے لیے جنرل ضیاء الحق کو قائل کیا اور ان کا تحریری حکم لیکر مظفرآباد پہنچے اور سردار ابراہیم سے کہا کہ ''آپ کا معاہدہ تھا کہ آپ غیر جانبدار رہیں گے لیکن آپ اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے آپ مستعفی ہو جائیں''۔ جنرل ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے جموں و کشمیر کونسل کے چیئرمین بھی تھے۔[۳۳] چنانچہ ۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو سردار محمد ابراہیم کو صدارت کے عہدے سے سبکدوش کرتے ہوئے ان کے فرائض بھی جنرل حیات کو سونپ دیئے گئے۔ گیارہ سال بعد ۱۹۸۹ء میں آزاد کشمیر کی عدالت عالیہ کی طرف سے ان کی سبکدوشی کو خلافِ قانون قرار دیا گیا۔ البتہ انہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں دیا گیا۔[۳۴]

آزاد جموں و کشمیر عبوری آئین ۱۹۷۴ء کی دفعہ ۵۶ میں یہ واضح کیا گیا کہ یہ ایکٹ کسی طرح سے بھی آزاد کشمیر کے بارے میں حکومت پاکستان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں بنے گا اور جب حکومت پاکستان یہ ضروری سمجھے کہ آزاد کشمیر میں انتظامیہ کو بہتر طور پر چلانے کے لیے آزاد جموں و کشمیر کے صدر کے عہدے پر فائز شخص کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی اور شخص کی تقرری کی جائے تو وہ ایسا کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ حکومت پاکستان کے متذکرہ بالا فرائض کی ادائیگی کے لیے آزاد کشمیر کونسل کے چیئرمین نے اس سلسلے میں اپنے تمام اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے سردار ابراہیم کو آزاد کشمیر کے صدر کے عہدے سے فارغ کیا۔

سردار ابراہیم کی علیحدگی پر پیپلز پارٹی کی برہمی تو جائز تھی، لیکن سردار قیوم کا احتجاج حیرت انگیز تھا۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں سردار ابراہیم کو صدارت سے ہٹائے جانے کے اقدام کو غیر آئینی اور تحریک آزادیٔ کشمیر کے لیے منفی قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ مجھے ایف۔ایس۔ایف کے ذریعے نکالا گیا تھا اور انہیں فوج کے ذریعے۔ سردار قیوم کچھ عرصہ پہلے تک مطالبہ کر رہے تھے کہ پیپلز پارٹی کے دور کا یہ ناجائز صدر ہٹایا جائے۔ اب جب کہ انہیں نہ صرف ہٹا دیا گیا بلکہ ۱۹۷۵ء کے انتخابات کے حوالے سے دھاندلیوں اور بدعنوانیوں کے الزامات کے تحت ان کا احتساب بھی ہو رہا

تھا۔ سردار قیوم ان کی حمایت میں بول رہے تھے۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر سکندر حیات خان کا موقف سردار قیوم کے موقف کے برعکس تھا۔ سردار ابراہیم کے لیے سردار قیوم کے موقف میں تبدیلی کے پس منظر میں ان دونوں کی ایک خفیہ ملاقات کارفرما تھی۔ جس کا ایک سبب یہ تھا کہ جب تک سردار قیوم کے جنرل حیات کے ساتھ اچھے تعلقات تھے وہ سردار ابراہیم کی برطرفی کا مطالبہ کرتے رہے لیکن جب جنرل حیات نے سردار قیوم کو بھی احتسابی عمل میں شامل کر دیا تو سردار قیوم نے جنرل حیات سے قطع تعلق کر کے سردار ابراہیم سے تعلقات بحال کر دیئے۔ دوسری طرف سردار ابراہیم کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر سردار قیوم احتساب سے نہیں بچ سکتے تو ان کا بچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ان دونوں میں ''آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں'' کے مصداق باہمی مفاہمت ہوگئی۔۳۵

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق ۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء کو آزاد کشمیر کے دورے پر میرپور آئے۔ وہ کاٹن ٹیکسٹائل ملز کے افتتاح کے سلسلے میں آئے تھے، جو آزاد کشمیر معدنی و صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے چین کی مدد سے منگلا (میرپور) میں قائم کی تھی۔ جنرل ضیاء نے خطاب کے دوران کہا کہ وہ صدر کی حیثیت سے پہلی مرتبہ کشمیر آئے ہیں، لیکن چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے انہیں یہاں سے دلچسپی رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا ہے اور کوئی ملک اپنی شہ رگ سے غفلت نہیں برت سکتا۔ خطاب کے دوران انہوں نے بتایا کہ اس سال آزاد کشمیر کی ترقی کے لیے ۱۷ کروڑ روپیہ رکھا گیا ہے، جو کہ پہلے کی نسبت ۳۲ فیصد زیادہ ہے، اور اس میں وفاق کی براہ راست رقم شامل ہے۔ آئندہ پانچ سالہ منصوبہ بندی کے لیے ایک ارب ۳۵ کروڑ روپے رکھے گئے ہیں۔ اس طرح ۲۷ کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوں گے، جو کہ پہلے کی نسبت یہ رقم ۱۱۰ فیصد زیادہ ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے ''آزاد کشمیر پر دولت کی بارش'' کر دی۔ اس سے قبل آزاد کشمیر کا بجٹ چند کروڑ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ جنرل ضیاء نے اپنی طرف سے آزاد کشمیر کے عوام کے لیے ایک کروڑ روپے خصوصی گرانٹ کا اعلان کیا۔

آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں کے وفود نے جنرل ضیاء سے ملاقات کی۔ جماعت اسلامی آزاد کشمیر کا وفد امیر جماعت مولانا عبدالباری کی قیادت میں ملا۔ جماعت اسلامی نے آزاد کشمیر کے انتخابات پاکستان کے انتخابات کے بعد کرانے، آزاد کشمیر میں بلا امتیاز سب سیاستدانوں کے محاسبے، آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کے نفاذ، سول حکومت کا قیام، گلگت بلتستان کو آزاد کشمیر میں شامل کرنے اور دیگر عوامی مطالبات پیش کیے۔ جنرل ضیاء نے انتخابات، محاسبے اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے

مطالبوں پر جماعت کے موقف سے اتفاق کیا۔ گلگت بلتستان کے معاملے پر سیاسی جماعتوں کے اجلاس طلب کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس سردار سکندر حیات خان کی قیادت میں دوسرے وفد نے ملاقات کی۔ وفد نے مسلم کانفرنس کے احتساب کو جانبدارانہ قراردیتے ہوئے اپریل ۱۹۷۹ء میں انتخابات کرانے، آزاد کشمیر کو تسلیم کرنے کے نعرے کے تشویشناک نتائج کے پیش نظر اس معاملے پر وفاقی حکومت کی توجہ دلانے اور تعمیر و ترقی پر زور دیا۔ وفد نے موجودہ حکومت پر جانبداری کا الزام لگایا۔ سکندر حیات نے ملاقات کو اطمینان بخش کہا۔

خورشید حسن خورشید کی سربراہی میں لبریشن لیگ کے وفد نے ملاقات کی۔ خورشید حسن خورشید نے کہا کہ کوئی بھی جمہوری جماعت مارشل لاء کو مستقل نہیں چاہتی۔ مزید مارشل لاء انتظامیہ نے پاکستان کو بحران سے نکالنے کے لیے جو وعدے اور اعلانات کر رکھے ہیں ہم ان پر عمل چاہتے ہیں۔ وفد نے تحریک آزادیٔ کشمیر کے سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کیں اور آزاد حکومت کو تسلیم کرانے کے نعرے کی وضاحت کی۔ اس کے علاوہ کچھ عوامی مطالبات بھی کیے۔ وفد نے ملاقات کو تسلی بخش قرار دیا۔

جمعیت العلماء آزاد جموں و کشمیر کا وفد مولانا یوسف کی قیادت میں ملا۔ وفد نے آزاد کشمیر کی تعمیر و ترقی، اسلامی آئین کا نفاذ، سول حکومت کا قیام، محاسبے کی تکمیل کے بعد انتخابات کا انعقاد اور دیگر عوامی مطالبات کیے۔ مولانا یوسف نے بھی ملاقات کو اطمینان بخش قراردیا۔ جنرل ضیاء نے صحافیوں سے ملاقات کے دوران آزاد کشمیر میں سول حکومت کے قیام کے امکان کے بارے میں سوال کے جواب میں کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو ایسا ہو سکتا ہے۔ آزاد کشمیر میں انتخابات کے بارے میں ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اصولی طور پر آزاد کشمیر میں انتخابات پاکستان کے بعد ہوں تو یہ بہتر ہو گا۔[۳۶]

جنرل حیات نے آزاد کشمیر کے تمام سابق صدور، وزیروں، مشیروں، ممبران اسمبلی اور بعض اعلیٰ سرکاری حکام کے محاسبے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ کہا گیا کہ ٹریبونل کے فیصلے کے خلاف کسی عدالت میں اپیل نہیں کی جا سکے گی۔ اس اعلان سے آزاد کشمیر کے تمام سیاسی حلقوں میں ہل چل مچ گئی۔ سردار ابراہیم نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور سردار قیوم نے کوشش کر کے اس میں یہ ترمیم کروائی کہ ٹریبونل کے فیصلے کے خلاف اعلیٰ عدالت میں اپیل دائر کی جا سکے گی۔ سردار قیوم نے یہ نقطہ پیش کیا کہ چونکہ آزاد کشمیر میں مارشل لاء نہیں ہے۔ لہٰذا آزاد کشمیر میں ایسا قانون جو مارشل لاء

کی طرز کا ہو جائز نہیں ہے۔ مختلف حلقوں کی طرف سے اس قانون کو کالعدم کرانے کے لیے رٹس دائر کی گئیں، لیکن جنرل حیات نے آزاد کشمیر کے تمام لیڈروں کے محاسبے کے لیے ان کے کوائف اکھٹے کرانے شروع کر دیئے اور اس کے لیے باقاعدہ احتساب سیل قائم کیا گیا۔[۳۷]

سردار قیوم نے محاسبے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ محاسبے میں ذاتی پسند اور ناپسند شامل ہوگئی ہے۔ بعض بڑے مجرم بچ گئے ہیں اور کچھ لوگوں کی معمولی غلطیوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ جن لوگوں سے چھوٹی موٹی غلطیاں ہوئیں انہیں اصلاح کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ مزید انہوں نے کہا کہ محاسبے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اگر آنے والی حکومت پچھلی حکومت کے ہر کام کو مسترد کر دے تو کبھی ملک میں استحکام نہیں ہوگا، تخریب ہی ہوتی رہے گی۔ [۳۸]

جنرل حیات نے بلاامتیاز سیاستدانوں کا احتساب کرایا۔ مسلم کانفرنس، آزاد مسلم کانفرنس، پیپلز پارٹی اور رائے شماری محاذ چاروں سیاسی جماعتوں نے ان کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا اور جلسہ و جلوس، نعرہ بازی اور مظاہرے ان کا معمول بن گیا۔[۳۹] ٹریبونل نے طویل سماعت کے بعد ۲۶ ستمبر ۱۹۷۹ء کو سردار قیوم کے خلاف ریفرنس اتھارٹی (حکومت آزادکشمیر) کی طرف سے لگائے گئے تمام الزامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے انہیں باعزت بری کردیا۔[۴۰] چار جماعتی اتحاد نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان جنرل ضیاء سے مطالبہ کیا کہ آزاد کشمیر کے موجودہ ناقابل رشک حالات کا جائزہ لیتے ہوئے حالات کی بہتری کے لیے فوراً کارروائی کی جائے۔[۴۱]

پیپلز پارٹی کی حکومت نے اپنے دور میں آزاد کشمیر کے مختلف محکموں سے ۱۵۰ افسروں کو نکال دیا تھا اور ان کی جگہ اپنے لوگوں کو بھرتی کیا تھا۔ جنرل حیات کے دور میں ان تمام افسروں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں خلاف ضابطہ نوکریوں سے نکالا گیا تھا، ہمیں بحال کیا جائے۔ جنرل حیات نے غوروفکر کے بعد مثبت قدم اٹھایا اور ان افسروں میں سے ۱۱۴ کو دوبارہ ملازمت میں لے لیا، پیپلز پارٹی والوں نے جن لوگوں کو بھرتی کیا تھا ان کو بھی بدستور بحال رکھا۔ اس اقدام سے جنرل حیات کو یہ فائدہ پہنچا کہ آزاد کشمیر کی تمام بیوروکریسی نے ان کے پورے دور میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ جنرل حیات کی حکومت کے ابتدائی دور میں آزاد کشمیر کے بلدیاتی انتخابات ہوئے۔ یہ انتخابات فوج کی نگرانی میں کرائے گئے اور نہایت پُرامن ماحول میں ہوئے۔[۴۲]

جنرل حیات حاضر سروس بریگیڈئیر تھے۔ وہ آزاد کشمیر میں جنرل ضیاء اور جنرل فیض علی چشتی کے احکامات کی تعمیل کرتے رہے، بالکل اس طرح سے جیسے ایک ماتحت اپنے افسر کا حکم بجالاتا ہے۔

انہوں نے آزاد کشمیر میں بالکل ویسے ہی کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا، یعنی جس طرح آزاد کشمیر میں لیڈروں کے محاسبے کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جنرل حیات، جنرل ضیاء اور جنرل چشتی کو یہ نہ بتا پائے کہ آزاد کشمیر اور پاکستان کے ماحول میں فرق ہے۔ یہاں جب لیڈروں کا احتساب شروع کیا جائے گا تو تمام لیڈر اور کارکن اُن کے مخالف ہو جائیں گے اور بے پناہ مشکلات کھڑی کر دیں گے۔ چنانچہ جب جنرل حیات نے آزاد کشمیر کے لیڈروں کے خلاف محاذ کی ابتداء کی تو پھر انہیں بھرپور جوابی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا۔[۴۳]

آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کی طرف سے جنرل حیات کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ پانچ سال تک آزاد کشمیر میں بحیثیت صدر خدمات سرانجام دینے کے بعد انہیں واپس فوج میں بھیج دیا گیا۔[۴۴] جنرل ضیاء نے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد آزاد کشمیر کے لیڈروں کو مطمئن کرنے اور کشیدہ حالات کو اعتدال میں لانے کے لیے جنرل حیات کو آزاد کشمیر سے واپس بلانے کا فیصلہ کیا۔ جنرل حیات کے اقتدار سے علیحدگی کے آثار واضح ہوئے تو حالات قدرے پُرامن ہو گئے۔

جنرل حیات کا دور سیاسی لحاظ سے بے اطمینانی اور انتشار سے ہمکنار رہا۔ یہ حالات سیاسی راہنماؤں سے محاذ آرائی کے باعث پیدا ہوئے تھے۔ لیکن ''تعمیر و ترقی کے لحاظ سے بلاشبہ ان کے زمانے کو آزاد کشمیر کا سنہری دور کہا جائے گا۔'' جنرل حیات نے ملک کی تعمیر و ترقی کی طرف ایک سچے جذبے اور لگن سے توجہ دی۔ وہ سرکاری عمارات اور سڑکوں کا کام اپنی زیرنگرانی کراتے تھے۔ ہر عمارت اور سڑک کے بارے میں انہیں ذاتی طور پر علم ہوتا تھا کہ کام کس رفتار سے ہو رہا ہے۔ اکثر اوقات کسی زیرتعمیر منصوبے کا اچانک دورہ کرتے تھے اور استعمال ہونے والے مواد کا معائنہ کرتے تھے۔ ان کے دور میں کسی ٹھیکیدار یا پی۔ڈبلیو۔ڈی افسر کو بددیانتی کرنے کی جرأت نہ تھی۔[۴۵] جنرل حیات کے دور میں تعلیم، بجلی، مواصلات، ٹیلیفون تمام محکموں نے ترقی کی۔ اسی وجہ سے آج تک انہیں اور آزاد کشمیر کی ترقی کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا ہے۔[۴۶] ۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۲ء ان پانچ سالوں میں آزاد جموں و کشمیر جو ریاست کا پسماندہ خطہ سمجھا جاتا تھا، کے دُور دراز علاقوں میں بھی تعمیراتی کام ہوئے اور معیشت میں خوشگوار انقلاب رونما ہوا۔

تعلیم کے شعبے میں سب سے اہم اور نمایاں کارنامہ آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی کا قیام تھا۔ اس یونیورسٹی کے تحت سائنس اور ٹیکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ ضلعی صدر مقامات پر طالبات کے ۲ ڈگری کالجوں سمیت ۴ ڈگری کالجوں کو یونیورسٹی کالجز کا درجہ دیا گیا۔ ان کالجوں میں اسلامیات،

معاشیات، جیالوجی، الیکٹرانکس، زراعت اور بزنس ایڈمنسٹریشن کی تعلیم دی جانے لگی۔ حکومت پاکستان نے یونیورسٹی کے پہلے مرحلے کے لیے چھ کروڑ ۲۵لاکھ روپے کی خطیر رقم مہیا کی۔[۴۷] جنرل حیات نے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ منظور کیا۔ اس کے علاوہ شرح خواندگی میں اضافہ، تعلیم کی دین اسلام سے ہم آہنگی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ آزاد کشمیر میں گھریلو ضرورت اور صنعتی ترقی کے لیے بجلی کی اشد ضرورت تھی۔ جنرل حیات کی حکومت کی بھرپور توجہ سے آزاد کشمیر کے شہر اور دیہات روشن ہو گئے۔ آزاد کشمیر کے تمام حصوں کو بجلی کی فراہمی کے لیے تمام مرکزی مقامات پر گرڈ سٹیشن قائم کیے گئے۔ آزاد کشمیر میں دیہی ترقی کے تمام کام شعبہ لوکل گورنمنٹ کے تحت انجام پاتے تھے۔ جنرل حیات نے اس شعبہ کو بھی بھرپور توجہ دی۔ اس شعبہ کے زیر اہتمام آزاد کشمیر کے دریاؤں اور چھوٹے بڑے نالوں پر پلوں کی تعمیر، آزاد کشمیر کے طول و عرض میں سینکڑوں باولیاں اور پانی کے ٹینکوں کی تعمیر اور پائپ لائنوں کے ذریعے دیہاتوں تک پانی پہنچایا گیا۔ اس کے علاوہ آزاد کشمیر میں رابطہ سڑکوں کی تعمیر سے دیہاتی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔ ''جنرل محمد حیات کا نام دراصل پورے آزاد کشمیر میں دیہی ترقی کی وجہ سے روشن ہوا اور یہی وجہ ہے کہ جب تعمیر و ترقی کی بات آتی ہے تو لوگ انہیں یاد کرتے ہیں''۔ آزاد کشمیر کی تمام شاہرائیں ، بڑے پختہ پل اور سرکاری دفاتر کی بڑی عمارتیں محکمہ تعمیراتِ عامہ کے زیراہتمام تعمیر ہوتی تھیں، انہوں نے اس شعبہ کو بھی وسعت دی۔ آزاد کشمیر کی قومی آمدن کا زیادہ دارومدار یہاں کے جنگلات پر ہے۔ یہاں کی عمارتی لکڑی بہت قیمتی ہے۔ انہوں نے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ جنگلات کی طرف بھی توجہ دی تا کہ قومی دولت محفوظ رہ سکے۔ صحت عامہ کے شعبے کی طرف توجہ دیتے ہوئے چاروں اضلاع میں بڑے ہسپتالوں کی عمارات کو وسیع کرایا، ان میں بیڈوں کی تعداد بڑھائی، ادویات کی ضرورت پوری کی، عملہ بڑھایا اور جدید ترین آلات سرجری فراہم کیے۔ اس کے علاوہ چاروں اضلاع میں رورل ہیلتھ سینٹر کا قیام، دور دراز مقامات پر ڈسپنسریاں، مراکز زچہ و بچہ، ٹی بی مراکز، انسداد ملیریا کے مراکز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ شعبہ امورِ حیوانات کی توسیع و ترقی پر بھی توجہ دی گئی۔

ان نمایاں شعبوں کے علاوہ جنرل حیات دیگر شعبہ ہائے زندگی سے بھی غافل نہیں رہے۔ محکمہ پولیس، شعبہ معدنی ترقی کارپوریشن، شعبہ سیاحت، شعبہ ایکسائز و ٹیکسیشن، شعبہ فزیکل پلاننگ و ہاؤسنگ اور دیگر چھوٹے چھوٹے شعبوں پر بھی جنرل حیات نے بھرپورتوجہ دی۔[۴۸] آزاد کشمیر میں مہاجرین جموں و کشمیر کو الاٹ شدہ جائیدادوں پر مالکانہ حقوق دیئے گئے۔ ایسی اراضیات کا کل رقبہ

تقریباً ۶ لاکھ ۲۲ ہزار کنال تھا۔ جنرل حیات نے متروکہ املاک کے الاٹیوں کو حقوق ملکیت دیئے۔[۴۹]

جنرل حیات کے دور میں رشوت کا بازار گرم رہا۔ صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ ان کی حکومت کے دور میں رشوت زیادہ ہوگئی ہے اور ان کی حکومت اس پر قابو پانے میں ناکام رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنرل ضیاء ہر جگہ تو موجود نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر حکومت منتخب عوامی نمائندوں کی ہوتی تو عوام ان کے پاس شکایات لے کر جاتے اور نوٹس ضرور لیا جاتا۔ چنانچہ اس کا اثر آزاد کشمیر پر بھی پڑا۔[۵۰]

عبدالرحمٰن خان کا تیسرا دور ۱۹۸۳ء۔ ۱۹۸۵ء

جنرل عبدالرحمٰن خان ۳۰ جنوری ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء تک برسرِ اقتدار رہے۔[۵۱]

آزاد کشمیر میں سیاسی تناؤ شدت اختیار کر چکا تھا، لہٰذا سیاسی تبدیلی ناگزیر تھی۔ چنانچہ جنرل (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کا صدر رمنتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ انہوں نے یکم فروری ۱۹۸۳ء کو اپنے عہدے کا حلف لیا۔ یہ ان کا تیسرا دورِ حکومت تھا۔ ان کا بار بار اس عہدے پر فائز ہونا اس بات کی عکاسی کرتا تھا کہ ان کی ذات غیر متنازعہ اور متوازن تھی۔[۵۲]

اقتدار سنبھالنے کے بعد جنرل عبدالرحمٰن نے کہا کہ آزاد کشمیر حکومت اور سیاستدانوں کی منزل ایک ہے۔ ہم سب نے مل کر تحریک آزادئ کشمیر کے علم کو بلند رکھنا ہے اور وہ آزاد کشمیر میں سیاستدانوں اور حکومت کے درمیان کشیدگی کے خلاف ہیں۔ وہ سیاستدانوں سے مذاکرات کر کے ان کا نکتہ نگاہ معلوم کر کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔ مزید یہ کہ وہ نظر بند سیاستدانوں کے معاملات کا جائزہ لیں گے اور جن کی نظربندی سیاسی بنیادوں پر کی گئی ہوگی انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ کسی شخص کو بلاوجہ جیل میں نہیں رکھا جائے گا۔ ان کا کہنا تھا کہ آزاد کشمیر تحریک آزادئ کشمیر کا بیس کیمپ ہے اور ہمیں اس بنیادی بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ وہ حالات کو معمول پر لانے کی کوشش کریں گے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر میں انتخابات کے انعقاد کا پروگرام سیاستدانوں سے مل کر ہی طے کیا جائے گا[۵۳] کابینہ کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ کابینہ تشکیل دیں گے، جو علاقے میں اقتصادی اور سماجی ترقی کو آگے بڑھائے گی۔[۵۴] جنرل عبدالرحمٰن نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو آزاد کشمیر کے سیاسی راہنما مطمئن ہو گئے۔

انہوں نے صدر بننے کے بعد چودھری محمد یوسف اور سردار محمد حبیب خان کو اپنا مشیر مقرر کیا۔

جنرل عبدالرحمٰن کو اعلیٰ سطح سے ملنے والی ہدایات میں کہا گیا تھا کہ آزاد کشمیر کی سیاسی فضا بحال کریں اور بجلی کی تنصیب کا کام، سڑکیں، پل، عمارتیں اور تمام زیر تعمیر منصوبوں کی نگرانی کرتے ہوئے انہیں مکمل کروائیں۔ انتخابات کے بارے میں کوئی طے شدہ پروگرام نہیں تھا، نہ ہی انہیں اقتدار سونپتے ہوئے اس بات کا تعین کیا گیا تھا کہ آپ اتنے عرصے میں انتخابات کروا کر فارغ ہوجائیں گے۔

سابق صدر جنرل حیات نے اپنے دورِ صدارت میں اکثر اخباری بیانات اور عوامی اجتماعات میں اس رائے کا اظہار کیا تھا کہ ان کا ملکی سیاست میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، لیکن جنرل حیات مستقبل کے لیے اپنی راہ ہموار کر چکے تھے۔ انہوں نے ملک کی تعمیر و ترقی میں جس قدر دلچسپی لی اس سے ملک کے ۹۰ فیصد لوگ ان کے ہمنوا ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے دورِ صدارت میں ملک کی ساری بیوروکریسی کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں مسلم کانفرنس میں شمولیت کی آفر بھی کی گئی لیکن انہوں نے اگست ۱۹۸۴ء میں تحریک عمل کے نام سے اپنی سیاسی جماعت بنائی۔

پاکستان میں ابھی انتخابات متوقع نہ تھے، لیکن ایک طبقہ ملک کے انتخابی عمل اور جمہوری اداروں کے مستقبل سے متعلق غور وفکر میں مصروف تھا۔ کچھ لوگوں کی طرف سے متناسب نمائندگی کا فارمولا تجویز کیا گیا۔ اس کا تذکرہ ایوانِ صدارت میں بھی ہوا۔ جنرل ضیاء الحق نے اس فارمولے کو پہلے آزاد کشمیر پر منطبق کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جنرل ضیاء کی ایماء پر جنرل فیض علی چشتی نے آزاد کشمیر کے انتخابات کے لیے متناسب نمائندگی کا قانون بنوایا۔ جن دنوں آزاد کشمیر کے لیے یہ قانون بنایا گیا آزاد کشمیر کے تمام لیڈروں نے اس کی مخالفت کی، لیکن جنرل حیات اس کی حمایت میں دلائل دے رہے تھے۔۵۵ جنرل حیات نے اپنے دور میں ایک آرڈیننس کے ذریعے پاکستان کی طرز پر آزاد کشمیر میں بھی متناسب نمائندگی کا نظام نافذ کیا تھا۔ اس کے مطابق عام انتخابات میں ہر سیاسی جماعت کے لیے پول شدہ ووٹوں کا ۵ فیصد حاصل کرنا ضروری تھا۔ جو سیاسی جماعت یہ ہدف پورا نہیں کرے گی وہ اپنے کامیاب امیدواروں سمیت کالعدم قراردے دی جائے گی۔۵۶ ان کے دور ۱۹۷۹ء میں الیکشن کا فیصلہ ہوا تو یہ قانون بنایا گیا تھا کہ رجسٹرڈ سیاسی جماعتیں ہی الیکشن میں حصہ لے سکتی ہیں۔۵۷ جب آزاد کشمیر میں سیاسی جماعتوں کو رجسٹرڈ کرنے کا قانون بنا تو بہت سی کاغذی سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کر کے انہیں بھی سیاسی جماعتوں میں شامل کر دیا گیا۔ اس میں فیض علی چشتی (وزیر امورِ کشمیر) اور جنرل حیات نے خصوصی کردار ادا کیا۔۵۸

جنرل عبدالرحمٰن کے دور میں یہ بات واضح ہو گئی کہ آزاد کشمیر میں جلد ہی انتخابات منعقد ہوں گے۔ انتخابی شیڈول کے اعلان کا انتظار ہو رہا تھا۔ تاہم آزاد کشمیر کی تمام چھوٹی بڑی جماعتیں انتخابی مہم میں مصروف تھیں۔ انتخابی قواعد کی رو سے انتخابات میں حصہ لینے کا حق صرف رجسٹرڈ جماعتوں کو تھا۔۵۹ جنرل عبدالرحمٰن نے پریس کانفرنس میں انتخابات کی تاریخ کا اعلان کیا۔ جس کے مطابق آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے انتخابات جماعتی بنیاد پر ۱۵ مئی ۱۹۸۵ء کو ہونے تھے۔ رائے دہندگان نے ممبروں کا انتخاب کرنا تھا۔ صدر نے کہا کہ انتخابات میں آزاد جموں و کشمیر کے پاکستان سے الحاق کے داعی افراد یا سیاسی جماعتیں ہی حصہ لے سکتی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ آزاد کشمیر کے عبوری آئین میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ کوئی بھی شخص یا سیاسی جماعت جموں و کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے منافی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتی۔۶۰

آزاد کشمیر کی رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس، جماعت اسلامی آزاد جموں و کشمیر، آزاد مسلم کانفرنس، مرکزی جمعیت العلماء آزاد کشمیر، مسلم کانفرنس (غازی گروپ)، تحریک عمل پارٹی، اسلامی جمہوری پارٹی، کوٹلی انقلابی محاذ، جمعیت العلماء آزاد جموں و کشمیر، آزاد جمہوری محاذ، تحریک استقلال پارٹی آزاد جموں و کشمیر شامل تھیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر نے اپنی رجسٹریشن مقررہ مدت کے اندر نہیں کرائی تھی۔۶۱ آزاد کشمیر چیف الیکشن کمشنر کے مطابق رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کی تعداد گیارہ تھی۔ دو سیاسی جماعتوں جموں و کشمیر لبریشن لیگ اور آزاد جموں و کشمیر سٹیٹ مسلم لیگ کو الیکشن کمیشن نے باضابطہ رجسٹرڈ نہیں کیا۔ تاہم الیکشن کمشنر نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ قانون کے تحت انہیں انتخابات میں حصہ لینے کا اہل قرار دیا گیا ہے، ان دونوں پارٹیوں نے الیکشن کمیشن کو متعلقہ قوانین ضابطوں اور طریقہ کار کی پابندی کا تحریری یقین دلایا، اس لیے انہیں انتخابات میں شامل ہونے کا اہل قرار دیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ کچھ سیاسی جماعتیں تحصیل یا مقامی سطح تک محدود ہیں اور محض انتخابات کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔۶۲ بعض غیر جانبدار مبصرین کی رائے کے مطابق چار یا پانچ سیاسی جماعتیں ایسی ہیں جنہیں قابل ذکر کہا جا سکتا ہے۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس، لبریشن لیگ، آزاد مسلم کانفرنس اور تحریک عمل پارٹی عوام میں مقبول ہیں اور اندازہ یہی ہے کہ انتخابات میں مقابلہ بھی انہی کے درمیان ہو گا۔۶۳

وفاقی وزیر امور کشمیر و شمالی علاقہ جات (جنرل عبدالرحمٰن کے دور میں) سیّد قاسم علی شاہ نے کہا کہ آزاد کشمیر میں سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن اور ارکان اسمبلی کی نااہلی کے قانون پر سختی سے عمل کیا

جائے گا۔ ''قانون اسی لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے''۔ وفاقی وزیر کا کہنا تھا کہ سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن اور ارکان اسمبلی کی نااہلی کا قانون سیاسی جماعتوں سے مشورے کے بعد بنایا گیا تھا۔ سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں نے اس قانون کو تسلیم کرتے ہوئے اسی کے تحت انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ یہ قانون منسوخ نہیں ہوگا۔ جو بھی جماعت اس کی زد میں آئے گی اسے نااہل قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں نرمی نہیں برتی جائے گی۔[۶۴]

آزاد کشمیر کے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس نے کامیابی حاصل کی۔[۶۵] چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ریٹائرڈ) محمد گل نے آزاد کشمیر کے مروجہ انتخابی قوانین کے مطابق مطلوبہ ہدف پورا نہ کرنے کی بنیاد پر جنرل حیات کی تحریک عمل پارٹی، آزاد مسلم کانفرنس اور مسلم کانفرنس غازی گروپ کو شوکاز نوٹس جاری کیے۔ الیکشن کمیشن نے سماعت کے لیے ۸ جون ۱۹۸۵ء کی تاریخ مقرر کی تاکہ یہ جماعتیں اپنا موقف پیش کرسکیں۔ تحریک عمل پارٹی میرپور سے ۵ فیصد کا ہدف پورا نہیں کرسکی تھی۔ آزاد مسلم کانفرنس مجموعی طور پر ساڑھے ۱۲ فیصد اور ضلع پونچھ اور ضلع مظفرآباد سے ۵ فیصد کی شرط پوری نہ کر سکی۔ مسلم کانفرنس غازی گروپ کوئی بھی شرط پوری نہ کرسکی۔ چنانچہ تحریک عمل، آزاد مسلم کانفرنس اور مسلم کانفرنس غازی گروپ کی نہ صرف رجسٹریشن ختم ہوگئی بلکہ ان کے کامیاب امیدواروں کی رکنیت اسمبلی بھی ختم ہوگئی اور ان کے کامیاب اور ناکام امیدوار سات سال تک انتخابات میں حصہ لینے کے لیے نااہل قرار پائے۔ ان حلقوں میں ۶۰ یوم کے اندر ضمنی انتخاب منعقد ہونا تھا۔[۶۶]

جنرل حیات نے اپنے کامیاب ممبروں کے کالعدم ہونے اور اپنی جماعت ختم ہونے کے پیش نظر متناسب نمائندگی کے قانون کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل کی۔ مسلم کانفرنس کے راہنماؤں اور کارکنوں کا موقف تھا کہ اس قانون کو کالعدم نہ کیا جائے، کیونکہ یہ قانون جنرل ضیاء کی ایما سے جنرل حیات نے خود بنایا تھا، لہٰذا انہیں اس کی سزا خود بھی بھگتنی چاہیے۔ آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے چیف جسٹس جناب مجید ملک اور جناب جسٹس راجہ محمد اکرم نے جنرل حیات کے حق میں فیصلہ دیا جبکہ جناب جسٹس سردار محمد اشرف خان نے ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ کیس سپریم کورٹ میں گیا تو آئینی بحران کے پیش نظر سپریم کورٹ سے حکومت نے اپیل واپس لے لی اور اس طرح جنرل حیات اور چوہدری نور حسین کی جماعتوں اور ان کے ممبرانِ اسمبلی کو بحال رکھا گیا۔[۶۷]

متناسب نمائندگی کی بنیاد پر منعقد ہونے والے ان انتخابات میں مسلم کانفرنس کثرت رائے سے کامیاب قرار پائی اور اس نے اقتدار سنبھالا۔ حزبِ اختلاف میں تحریک عمل پارٹی، جموں و کشمیر لبریشن

لیگ اور آزاد مسلم کانفرنس شامل تھیں۔۶۸

مسلم کانفرنس کی حکومت ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۹۰ء

وزیراعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان ۱۹۸۵ء۔ ۱۹۹۰ء

سردار سکندر حیات خان بحیثیت وزیراعظم آزاد کشمیر ۱۷جون ۱۹۸۵ء سے ۲۶جون ۱۹۹۰ء تک اپنے عہدے پر فائز رہے۔۶۹

سردار سکندر حیات خان یکم جون ۱۹۳۶ء کو گاؤں کریلہ تحصیل نکیال ضلع کوٹلی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم پونچھ شہر سے حاصل کی۔ میٹرک اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی سے کیا۔ اس کے بعد گارڈن کالج راولپنڈی سے گریجویشن کی۔۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی اور کوٹلی میں وکالت شروع کردی۔ اسی عرصہ میں چوہدری غلام عباس نے کشمیر لبریشن موومنٹ(کے۔ایل۔ایم) کے نام سے تحریک شروع کی تھی۔ سکندر حیات نے ایک رضاکار کی حیثیت سے اس میں حصہ لیا۔ انہی دنوں انہیں مسلم کانفرنس تحصیل کوٹلی (اس وقت ضلع پونچھ کی تحصیل تھی) کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۶۸ء میں مسلم کانفرنس مرکزی پارلیمانی بورڈ کے ممبر نامزد ہوئے۔ ۳۱ اکتوبر۱۹۷۰ء میں آزاد جموں وکشمیر میں پہلی بار قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو انہوں نے مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر حلقہ نکیال سے انتخاب لڑا اور کامیاب ہوکر اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں آزاد کشمیر کے صدر سردار قیوم کی کابینہ میں وزیر مالیات کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ اپریل ۱۹۷۵ء میں مسلم کانفرنس کی حکومت کی برطرفی اور سردار قیوم کی نظربندی کے بعد انہوں نے مسلم کانفرنس کی سربراہی کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۷۷ء کو آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس سمیت پاکستان کی ۹ سیاسی جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد کے نام سے ایک سیاسی اتحاد قائم کیا۔ انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے پاکستان کی سیاست میں بھی متحرک کردار ادا کیا۔ انہوں نے مسلم کانفرنس میں قائد جماعت سردار قیوم کے دست راست کی حیثیت حاصل کی اور جماعت میں انہیں قائد جماعت کے بعد دوسرا مقام حاصل ہوا۔

۱۹۸۵ء کے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔۷۰ اور سکندر حیات کو پارلیمانی لیڈر منتخب کیا گیا۔۷۱ قانون ساز اسمبلی کے ارکان کے ووٹوں سے سکندر حیات خان آزاد کشمیر کے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ ان کے مقابلے میں چودھری عبدالمجید تھے۔ ۱۷ جون ۱۹۸۵ء کو انہوں نے

اپنے عہدے کا حلف لیا۔ ایوان سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر آزاد علاقے میں جمہوری قدروں کے فروغ، جمہوریت کی بقاء اور اس ایوان کے تقدس کے لیے کام کرتے رہیں گے۔ وہ اور ان کی جماعت جمہوریت کے تقدس، عوامی مسائل کے حل اور انتظامیہ کو بہتر طریقے سے چلانے کے لیے اپنا کردار ادا کرے گی۔

ایوان سے خطاب کرتے ہوئے مسلم کانفرنس کے قائد سردار قیوم نے نو منتخب وزیراعظم کو مبارکباد دی۔ انہوں نے پارلیمانی نظام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں خوشی ہے کہ آج ہماری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ صدارتی و پارلیمانی نظام دونوں جمہوری نظام ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ صدارتی نظام کے حق میں ہیں کیونکہ یہ اسلام کے زیادہ قریب ہے۔ ہم اس ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ صدارتی نظام کے حامی ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پارلیمانی نظام ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے بوقت ضرورت دونوں نظاموں کے تحت انتخابات میں بھرپور حصہ لیا ہے۔[۷۲]

تحریک عمل پارٹی، جموں وکشمیر لبریشن لیگ اور آزاد مسلم کانفرنس نے مل کر حزبِ اختلاف تشکیل دیا اور کے۔ایچ۔خورشید حزبِ اختلاف کے لیڈر قرار پائے۔[۷۳] سکندر حیات نے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل اپنی کابینہ تشکیل دی۔ سینئر وزیر راجہ محمد اکرم، مرزا مشتاق احمد، وزیر بحالیات و ٹرانسپورٹ، علی خان چغتائی وزیر تعمیرات عامہ و برقیات، چوہدری عبدالعزیز، وزیر قانون و پارلیمانی امور، راجہ ذوالقرنین وزیر مالیات و ترقیات، عبداللطیف سلہریا، وزیر زراعت۔[۷۴] سردار سکندر حیات نے حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد متناسب نمائندگی کا وہ آئینی فارمولا واپس لے لیا جس کے تحت تمام انتخابی یونٹوں میں درج شدہ ووٹوں کا پانچ فیصد حاصل نہ کرنے پر ممبران اسمبلی اور سیاسی جماعتیں کالعدم ہو جاتی تھیں۔[۷۵]

صدرِ آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم کا تیسرا دورِ صدارت ۱۹۸۵ء-۱۹۹۰ء

مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے آزاد کشمیر کی صدارت کے لیے سردار قیوم کا نام تجویز کیا۔[۷۶] وہ تیسری مرتبہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے۔[۷۷] وہ یکم اکتوبر ۱۹۸۵ء سے ۲۹ جولائی ۱۹۹۰ء تک آزاد کشمیر کی صدارت کے منصب پر فائز رہے۔ یکم اکتوبر کو آزاد کشمیر کے صدر کی حیثیت سے حلف لینے کے بعد جماعتی لحاظ سے آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت کی تکمیل ہوئی۔ سردار قیوم کی حیثیت آزاد کشمیر کے آئینی سربراہ کی تھی۔

صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم کی دعوت پر صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق آزاد کشمیر کے تفصیلی دورے پر آئے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۸۷ء کو مظفر آباد پہنچنے پر صدرِ آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم، وزیر اعظم آزاد کشمیر سکندر حیات خان اور تمام ممبران اسمبلی نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم نے مہمانِ گرامی کو خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر صدرِ آزاد کشمیر نے ۱۹ جولائی کے حوالے سے آزاد کشمیر کے عوام کے ''ان احساسات و جذبات کی ترجمانی کی جو قراردادِ الحاقِ پاکستان کی روح تھی اور جو ۱۹۴۷ء سے پاکستان کے ساتھ وابستہ چلے آ رہے تھے''۔ اس موقع کی مناسبت سے سکندر حیات نے صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ''ہم پاکستان کو اپنے لیے قبلہ و کعبہ سے کم نہیں سمجھتے۔ یہ دارالامان ہے اور ہم اس کے لیے قربانیاں دینے پر تیار ہیں۔ ہم مسلم کانفرنس کے کارکن پاکستانی افواج کے بلاتنخواہ سپاہی ہیں اور یہ میرا ایمان ہے کہ ایک کروڑ مجبور و مظلوم کشمیری مسلمانوں کی غلامی کی اندھیری رات ایک نہ ایک دن آزادی کے سورج کی کرنوں سے جگمگا اٹھے گی اور آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک۔ پاکستان کشمیری مسلمانوں کی منزل ہے۔ وہ اپنی منزل کے لیے جدوجہد اس وقت تک جاری رکھنے کا عہد کیے ہوئے ہیں جب تک مقبوضہ جموں و کشمیر کو آزاد کرا کے پوری ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہیں کر لیا جاتا''۔۷۸

۲۹-۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء کو مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا سالانہ اجلاس مظفر آباد میں ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت سردار سکندر حیات وزیر اعظم آزاد کشمیر و صدر مسلم کانفرنس نے کی۔ اس اجلاس میں انہوں نے مسلم کانفرنس کے قائد سردار قیوم سے آئندہ دو سال کے لیے مسلم کانفرنس کی صدارت سنبھالنے کی درخواست کی، جسے سردار قیوم نے قبول کر لیا اور اس اجلاس میں سردار قیوم کو جماعت کا صدر منتخب کیا گیا۔۷۹

سردار سکندر حیات کا دورِ وزارتِ عظمیٰ اور سردار قیوم کا دورِ صدارت ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۰ء آزاد کشمیر کی تاریخ میں ہر لحاظ سے قابلِ تحسین دور کہلایا۔ آزاد کشمیر کی اپوزیشن جماعتوں پیپلز پارٹی آزاد کشمیر، تحریک عمل پارٹی، لبریشن لیگ اور آزاد مسلم کانفرنس کی طرف سے حکومت کو کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی حکومت کے خلاف کوئی موثر تحریک چلائی گئی۔ اس دورِ حکومت میں ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے کیا جانے والا کام تاریخ میں سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔۸۰

مسلم کانفرنس کی اس منتخب حکومت نے پہلی مرتبہ آزاد کشمیر میں جماعتی بنیادوں پر بلدیاتی انتخابات کا انعقاد کروا کر جمہوری اداروں کے فروغ اور استحکام کے لیے مثبت قدم سرانجام دیا۔ اس

حکومت نے علماء، ٹیکنوکریٹس اور بیرونی ممالک میں مقیم کشمیریوں کو اسمبلی میں نمائندگی دی۔ خواتین کی نشستوں میں اضافہ کیا۔[81] گلگت اور بلتستان ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہیں۔ آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر کے قیام کے بعد ذرائع مواصلات کی عدم موجودگی اور اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے وقتی طور پر آزاد کشمیر کی حکومت نے ان علاقوں کے انتظامی امور حکومت پاکستان کی تحویل میں دے دیئے تھے، لیکن طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی یہ علاقے آئینی حقوق سے محروم تھے۔ اس حکومت نے گلگت اور بلتستان کے باشندوں کے آئینی اور سیاسی حقوق کے لیے آواز بلند کی اور اسمبلی میں اور قومی سطح پر یہ مطالبہ کیا کہ ان علاقوں کو آزاد جموں و کشمیر کی اسمبلی میں نمائندگی ملنی چاہیے اور پوری ریاست کے حتمی فیصلے تک ان علاقوں کو پاکستان کا حصہ نہ بنایا جائے۔ اس کے علاوہ حکومت نے گلگت اور بلتستان کے طلباء کے لیے آزاد کشمیر کے تعلیمی اداروں اور تعلیم یافتہ افراد کے لیے ملازمتوں میں کوٹہ مقرر کیا۔ مسلم کانفرنس کی اس حکومت نے تحریک آزادی کو منظم و مربوط کرنے اور تقویت پہنچانے کے لیے لبریشن سیل کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ صدرِ آزاد کشمیر اس کے سرپرست اعلیٰ اور وزیراعظم اس کے چیئرمین مقرر ہوئے تھے۔[82]

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے تجاویز ترتیب دینے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی۔ آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی نے مئی ۱۹۸۹ء میں شریعت ایکٹ کی منظوری دی۔ اس ایکٹ کے تحت شریعت ہی اعلیٰ ترین قانون قرار پائی اور عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے کی پابند قرار پائیں۔[83]

مسلم کانفرنس کی حکومت نے تعلیم کے شعبہ میں بہتری کے لیے اقدامات کیے۔ فنی تعلیم کے لیے راولاکوٹ میں پولی ٹیکنیک انسٹیٹیوٹ کا قیام، پرائمری اور مڈل سکولوں کے لیے یونیسف کے تعاون سے نصاب سازی کے کام کا اجراء، ملک کے تمام تعلیمی اداروں کے انتظام و انصرام کو موثر بنانے کے لیے انتظامی اصلاحات، اساتذہ کے تربیتی پروگرام، کالج کی سطح پر تعلیمی معیار کی بلندی،[84] کیڈٹ کالج پلندری کی منظوری، یونیورسٹی کی سطح پر تعلیم کو وسعت دینے کے لیے اقدامات، آزاد کشمیر یونیورسٹی میں ادارہ مطالعہ کشمیر کا قیام، یونیورسٹی میں قائدملت چوہدری غلام عباس چیئر کا قیام، یونیورسٹی کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، میرپور میں الیکٹریکل انجینئرنگ کے شعبہ کا قیام اور مظفرآباد میں پبلک لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ صحت عامہ کے شعبہ پر بھی توجہ دی گئی۔ اس میں مختلف درجوں کی ۱۲۹۹ آسامیاں تخلیق کی گئیں، جن میں ۲۰۱ ڈاکٹرز، ۵۲۹ پیرا میڈکس اور ۵۶۹ دوسرے ملازمین شامل تھے۔[85] حکومت نے بلدیاتی اداروں اور دیہی ترقی کے شعبے کو معقول فنڈز مہیا کیے تا کہ دیہات میں

تعمیر و ترقی ہو سکے، کیونکہ آزاد کشمیر کی ۹۲ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے۔۸۶ آزاد کشمیر کا محکمہ سماجی بہبود آزاد جموں وکشمیر کونسل کے ماتحت تھا۔ آزاد حکومت نے اسے موثر اور فعال بنانے کے لیے اپنی تحویل میں لے لیا۔۸۷ آزاد کشمیر کا اکثر علاقہ پہاڑی ہے اور موسم کی شدت کے باعث آمدورفت کے لیے سڑکوں اور پلوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ حکومت نے پلوں اور سڑکوں کی تعمیر و توسیع پر بھرپور توجہ دی۔۸۸ مسلم کانفرنس کی اس حکومت نے شعبہ برقیات پر توجہ دیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ آبادی کو بجلی کی سہولت فراہم کرنے کی کوشش کی۔ پسماندہ اور سیز فائر لائن کے نزدیکی علاقوں کو بجلی کی فراہمی کے لیے اقدامات کیے۔ بجلی کی پیداوار میں اضافہ کے لیے ہائیڈل سٹیشنوں کی تعمیر پر توجہ دی گئی۔۸۹ جنگلات کے تحفظ و فروغ کے لیے معقول منصوبہ بندی کی گئی اور اس کے ضیاع کو روکنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے گئے۔۹۰ آزاد کشمیر کے جنگلات کی لکڑی ٹھیکیداروں کے ذریعے فروخت ہوتی تھی۔ اس وجہ سے جنگلات کو نقصان ہوتا تھا۔۱۹۷۳ء میں جنگلات کی لکڑی کی نکاسی اور فروخت کے لیے (Azad Kashmir Logging & Saw Mills Corporation) کے نام سے ایک خودمختار ادارہ قائم کیا تھا، جو بہتر کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکا۔ اس حکومت نے اجلاس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے اس کے بورڈ کی تشکیل نو کی۔ آزاد کشمیر کے وزیر جنگلات کو اس کا چیئرمین بنایا گیا۔ تمام انتظامی اختیارات بورڈ کو تفویض کیے گئے۔ تشکیل نو کے نتیجے میں ادارہ فعال ہو گیا۔ سیاحت کے شعبے کو منظم کیا گیا۔ زراعت کی ترقی پر توجہ دی گئی۔۹۱ اس کے علاوہ حکومت نے ٹرانسپورٹ کے نظام کی بہتری کے لیے موثر اقدامات کیے۔۹۲

سردار سکندر حیات نے اپنا پانچ سالہ دورِ حکومت مکمل کرنے کے بعد ۱۹۹۰ء میں آزاد کشمیر کے انتخابات کرائے۔ پورے آزاد کشمیر کی سطح پر اصل مقابلہ مسلم کانفرنس اور پیپلز پارٹی میں تھا۔ ۲۱ مئی ۱۹۹۰ء کو کامیاب ممبران کا اعلان ہوا۔۹۳ انتخابات کے نتائج کے بعد کچھ ایسی صورتحال سامنے آئی کہ کسی بھی جماعت کے پاس واضح اکثریت نہ تھی اور کوئی بھی جماعت آزاد ممبران یا دوسری چھوٹی جماعتوں کے ممبران کے تعاون کے بغیر حکومت سازی کی پوزیشن میں نہ تھی۔۹۴

پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کی حکومت ۱۹۹۰ء۔ ۱۹۹۱ء

وزیراعظم آزاد کشمیر راجہ ممتاز حسین راٹھور ۱۹۹۰ء۔ ۱۹۹۱ء

راجہ ممتاز حسین راٹھور بحیثیت وزیراعظم آزاد کشمیر مجموعی طور پر ۲۹ جون ۱۹۹۰ء سے ۵ جولائی ۱۹۹۱ء تک برسراقتدار رہے۔۹۵

۲۱مئی ۱۹۹۰ء کو آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی سابق حکومت نے عام انتخابات کروائے، جس میں کسی بھی جماعت کو حکومت سازی کے لیے واضح اکثریت حاصل نہ تھی، البتہ مسلم کانفرنس اور پیپلز پارٹی نے نسبتاً کامیابی حاصل کی۔ پیپلز پارٹی نے لبریشن لیگ، آزاد مسلم کانفرنس اور آزادارکان کے تعاون سے ۲۹جون ۱۹۹۰ء کو حکومت قائم کی۔۹۶ پیپلز پارٹی نے راجہ ممتاز حسین راٹھور کو اپنا پارلیمانی لیڈر منتخب کیا اور انہوں نے بحیثیت وزیراعظم آزاد کشمیر اپنی ذمہ داریوں کا حلف لیا۔ سردار ابراہیم احتجاجاً حلف برداری کی تقریب میں شریک نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ''وزیراعظم پاکستان بےنظیر بھٹو نے میرے ساتھ پکا وعدہ کر رکھا تھا کہ آزاد کشمیر کے وزیراعظم آپ ہی ہوں گے''۔ سردار ابراہیم کی خفگی کے باعث آزاد کشمیر پیپلز پارٹی دوگروپوں میں منقسم ہوگئی، جس کی وجہ سے وزیراعظم آزاد کشمیر راجہ ممتاز حسین راٹھور کو کابینہ کی تشکیل میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ پہلے مرحلے پر ہی عدم اعتماد کا خطرہ نظر آ رہا تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے وزیراعظم پاکستان محترمہ بینظیر بھٹو اور وزیر امورِ کشمیر حنیف خان کے مشورے سے یہ راستہ نکالا گیا کہ بڑی کابینہ بنائی جائے اور جو ممبران عدم اعتماد کر سکتے ہیں انہیں اپنے اپنے محکموں میں مکمل بااختیار بنا کر کابینہ میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ راجہ ممتاز حسین راٹھور نے ۱۶ ارکان پر مشتمل کابینہ تشکیل دی اور دو تین مشیر بھی بنائے۔ صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر اسپیکر اسمبلی بنائے گئے۔ آزاد کشمیر کی سیاسی تاریخ میں یہ پہلی بڑی کابینہ تھی۔ اس کے اخراجات کے لیے رقم کی منظوری وزیراعظم پاکستان بینظیر بھٹو نے دی تھی۔ تمام وزراء کو اپنے اپنے محکموں سے متعلق مکمل اختیارات دیئے گئے۔''اس طرح وزیراعظم آزاد کشمیر راجہ ممتاز حسین راٹھور کی حیثیت ۳۲ دانتوں میں زبان کی سی ہو کر رہ گئی کیونکہ وزراء نے وعدہ کے مطابق اپنی مرضی سے کام شروع کر دیا''۔ اسی اثناء میں ۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کو پاکستان میں اسمبلی ٹوٹ گئی اور بینظیر بھٹو کی جگہ غلام مصطفیٰ جتوئی نے نگران وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ اس تبدیلی سے آزاد کشمیر کے حالات کا رخ بھی بدل گیا۔

صدرِ آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان ۱۹۹۰ء-۱۹۹۱ء

پیپلز پارٹی اور اس کی اتحادی جماعتوں کی طرف سے آزاد کشمیر کی صدارت کے لیے امیدوار سلطان محمود چوہدری تھے جبکہ مسلم کانفرنس کے امیدوار سردارقیوم خان تھے۔ ۲۷ اگست۱۹۹۰ء کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے ووٹوں سے سردارقیوم خان کامیاب قرار پائے۔ یہ چوتھی مرتبہ آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۹۷ سردارقیوم ۱۹ جولائی ۱۹۹۱ء کو آزاد کشمیر کی صدارت کے

عہدے سے مستعفی ہو گئے۔۹۸

سردار قیوم کے صدر منتخب ہونے کے خلاف بیرسٹر سلطان محمود چوہدری نے آزاد کشمیر ہائیکورٹ میں رٹ دائر کی۔ ان کا یہ اعتراض تھا کہ صدارتی انتخابات میں ایک شخص دو مرتبہ حصہ نہیں لے سکتا۔ عدالت نے اس کا فیصلہ ۲۷ جولائی ۱۹۹۱ء کو دیا۔ آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے فل بنچ نے بیرسٹر سلطان محمود کی طرف سے دائر کردہ درخواست مسترد کر کے خارج کر دی۔ جسٹس خواجہ سعید احمد نے رٹ درخواست پر فل بنچ کے فیصلے کا اعلان کیا۔ فیصلے میں کہا گیا تھا کہ درخواست گزار کا یہ اعتراض کہ ایک شخص دوبار صدارتی انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتا، کوئی جواز نہیں رکھتا۔ آزاد کشمیر کے آئین میں اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا اعتراض کہ وزیرِامورِ کشمیر صدارتی انتخابات میں ووٹ نہیں دے سکتا، اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ وزیر امورِ کشمیر نے آزاد جموں و کشمیر کونسل کے انچارج وزیر کی حیثیت سے ووٹ دیا تھا اور چونکہ قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے مشترکہ اجلاس کی تعریف میں کونسل کا انچارج وفاقی وزیر بھی شامل ہے اور یہ ووٹ کا استعمال کر سکتا ہے۔۹۹

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو پاکستان میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے اور میاں نواز شریف پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پاکستان میں اس سیاسی تبدیلی کے بعد آزاد کشمیر کے وزراء بھی وزیرِاعظم راجہ ممتاز حسین راٹھور کے خلاف متحرک ہو گئے اور انہیں عدم اعتماد کا تاثر دیا جانے لگا۔ ممتاز راٹھور ذاتی ذرائع سے وزراء سے باخبر رہتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وزراء نے ان کے خلاف مکمل ساز باز کر لی ہے تو انہوں نے اسمبلی کی برطرفی کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وزیرِاعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور نے ۳۱ مارچ ۱۹۹۱ء کو صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے تمہید کے بعد تحریر کیا تھا کہ ''موجودہ اسمبلی توڑ کر نئے انتخابات کروانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ لہٰذا جنابِ صدر میں عبوری آئین نمبر۷۴ کی دفعہ ۲۸ کے تحت آپ کو مودبانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آزد کشمیر اسمبلی فی الفور توڑ دی جائے۔ اس کے ساتھ میں ساری کابینہ، مشیران کو بھی توڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ آئین کے مطابق تین ماہ میں انتخابات کراؤں گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو عبوری کابینہ عبوری طور پر تشکیل دوں گا۔'' صدرِ آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم نے خط پڑھ کر اس کی منظوری دے دی۔ جس کے بعد وزیرِاعظم آزاد کشمیر راجہ ممتاز حسین راٹھور نے یکم اپریل ۱۹۹۱ء کو اسمبلی کی برطرفی کا اعلان کیا۔

راجہ ممتاز حسین راٹھور بطور نگران وزیراعظم آزاد کشمیر اپریل۔ جولائی ۱۹۹۱ء

یکم اپریل ۱۹۹۱ء کو اسمبلی کی برطرفی کے بعد راجہ ممتاز حسین راٹھور بطور نگران وزیراعظم کے فرائض انجام دینے لگے۔ انہوں نے اپنی سابقہ کابینہ میں سے کچھ وزراء کو اپنے ساتھ وزیر رکھا۔ اس کے علاوہ سردار خلیق احمد اور سردار محمد آزاد خان کو بطور خصوصی مشیر اپنے ساتھ رکھا۔ اسمبلی کی برطرفی کے بعد صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم بدستور اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ اسپیکر اسمبلی صاحبزادہ اسحاق ظفر بھی بدستور اپنے عہدے پر بحال رہے۔ اس کے بعد بھرپور طریقے سے نئے انتخابات کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

۲۹ جون ۱۹۹۱ء کو پورے آزاد کشمیر میں دوبارہ انتخابات کا انعقاد ہوا۔[۱۰۰] یہ انتخابات ۱۳ ماہ کے وقفے سے ہوئے۔ ان میں تین بڑی سیاسی جماعتوں نے حصہ لیا۔ جس میں مسلم کانفرنس، پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر اور جمہوری اتحاد شامل تھیں۔ جمہوری اتحاد میں جموں و کشمیر پیپلز پارٹی (سردار ابراہیم گروپ)، جموں و کشمیر لبریشن لیگ، تحریک عمل پارٹی اور نیشنل پیپلز پارٹی شامل تھیں۔[۱۰۱] ان انتخابات میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے کامیابی حاصل کی۔[۱۰۲]

آزاد کشمیر کے وزیراعظم ممتاز حسین راٹھور نے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگاتے ہوئے انتخابات کو کالعدم قرار دیا اور آزاد کشمیر الیکشن کمیشن توڑ دیا۔ ایک عدالتی کمیشن قائم کیا گیا جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ انتخابات میں دھاندلی کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے۔ انہوں نے اسلام آباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ آزاد کشمیر کے چیف سیکرٹری راحت اللہ جرال اور انسپکٹر جنرل پولیس قمر عالم کی خدمات حکومت پاکستان کو واپس کر دی گئی ہیں۔ انہوں نے چیف الیکشن کمیشن سے کہا کہ وہ نتائج کا نوٹیفکیشن جاری نہ کریں۔ ممتاز راٹھور کا کہنا تھا کہ انہیں آئین کی دفعہ ۱۷ کے تحت ایسا کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔ مزید یہ کہ عدالتی کمیشن کی تحقیقات کے بعد نئے انتخابات کی تاریخ کا اعلان کیا جائے گا۔ اگر کمیشن نے انتخابات کو دھاندلی سے پاک قرار دیا تو نتائج تسلیم کر لیں گے اور پھر نوٹیفکیشن جاری کروادیا جائے گا۔ انہوں نے اس دھاندلی کے خلاف احتجاجی مظاہرے کی کال بھی دی۔[۱۰۳]

صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم نے وزیراعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور سے کہا کہ وہ انتخابی نتائج تسلیم کر لیں۔ کیونکہ بار بار انتخابات کروانا کوئی آسان کام نہیں۔ انہوں نے مظفرآباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انتخابات کے نتائج عوامی مینڈیٹ کے عین مطابق ہیں۔ مزید انہوں نے کہا کہ آزاد کشمیر کے عوام کی طرف سے ۶ جولائی کو ہڑتال کی اپیل کا کوئی نوٹس نہیں لیا جائے گا۔

عوام کی طرف سے نیا مینڈیٹ آ جانے کے بعد وزیراعظم معمول کے کاموں کے علاوہ کوئی حکم جاری کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ سردار قیوم کا کہنا تھا کہ میں نے سرکاری انتظامیہ کو ہدایات دے دی ہیں کہ ممتاز راٹھور کے غیر قانونی احکامات کی تعمیل نہ کی جائے، صرف روزمرہ کے معمولات کے لیے ان سے تعاون کیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس اپنے عہدوں پر برقرار ہیں۔[۱۰۴]

وزیرِ امورِ کشمیر سردار مہتاب احمد خان کا کہنا تھا کہ وزیراعظم راٹھور غیر آئینی موقف اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ عوام نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کے دوران کہا کہ دو ہفتوں کے اندر حکومت سازی کے عمل کی تکمیل ہو جائے گی اور آزاد کشمیر کے آئین کے تحت نومنتخب وزیراعظم کے حلف اٹھانے کے بعد عبوری وزیراعظم کی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزیراعظم آزاد کشمیر چیف الیکشن کمشنر کو نہیں ہٹا سکتے۔ کیونکہ چیف الیکشن کمشنر کا تقرر صدر کرتے ہیں۔ چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس بھی بدستور اپنے عہدوں پر بحال ہیں۔[۱۰۵] وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کی صدارت میں ۴ جولائی کو آزاد کشمیر کے حالات پر غور و خوص کے لیے اعلیٰ سطح کا اجلاس ہوا۔ جس میں وزیرامورِکشمیر سردار مہتاب احمد خان سمیت دیگر وفاقی وزراء شامل تھے۔ اجلاس میں وزیراعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور کی طرف سے دوبارہ انتخابات کروانے، انسپکٹر جنرل پولیس اور چیف سیکرٹری کی تبدیلی کے اعلانات کو تمسخر انگیز قرار دیتے ہوئے مسترد کیا گیا۔ اجلاس میں بعض وزراء ممتاز راٹھور کے خلاف فوری اور سخت اقدام کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ بہرحال اجلاس میں طے کیا گیا کہ ان کے خلاف کوئی فوری اقدام نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ممتاز راٹھور نے تشدد کی سیاست اپنائی تو قانون کے مطابق ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔[۱۰۶]

۵ جولائی ۱۹۹۱ء کو وزیراعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ ان کو آزاد کشمیر عبوری آئین ۱۹۷۴ء کی دفعہ ۵۶ کے تحت برطرف کیا گیا تھا۔ حکومت پاکستان نے آئین کی اس دفعہ کے تحت اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے ممتاز راٹھور کے خلاف کارروائی کی۔ صدرِ آزاد کشمیر سردار قیوم نے روزنامہ جنگ راولپنڈی سے گفتگو کے دوران کہا کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ دفعہ ۵۶ کا استعمال ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ممتاز راٹھور نے مظفرآباد میں جلسے میں تقریر کرتے ہوئے سرعام کشت و خون کی دھمکیاں دیں۔ ان دھمکیوں کے پیش نظر یہ اقدام کرنا پڑا۔ آخری وقت تک دفعہ ۵۶ کے استعمال سے گریز کیا گیا۔ لیکن اس کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا۔ وزیراعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور کو برطرف کرنے کے بعد ۵ جولائی ۱۹۹۱ء کو گرفتار کر لیا گیا۔

جسٹس سردار اشرف بحیثیت چیف ایگزیکٹو آزاد کشمیر ۵ جولائی۔ ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء

۵ جولائی ۱۹۹۱ ء کو وزیراعظم ممتاز راٹھور کی برطرفی کے بعد آزاد کشمیر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سردار محمد اشرف کو نئے وزیراعظم کے انتخاب تک آزاد کشمیر کا چیف ایگزیکٹو مقرر کیا گیا۔[107] انہوں نے حلف اٹھانے کے بعد صدرِ آزاد کشمیر اور سینئر افسروں سے ملاقات کی۔ اور دورانِ ملاقات حالات پر تبادلہ خیال کیا۔ جسٹس سردار محمد اشرف نے بعد میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں نے مختصر عرصے کے لیے سربراہ حکومت کا عہدہ سنبھالا ہے اور آزاد کشمیر اسمبلی کی طرف سے قائدایوان کے انتخابات کا عمل جلد مکمل کیا جائے گا۔ صدرِ آزاد کشمیر نے کہا کہ آئینی خلا کو پر کرنے کے لیے نئے چیف ایگزیکٹو کے فرائض سنبھالنا ضروری تھا اور یہ فیصلہ ہنگامی بنیادوں پر کرنا پڑا۔

ایک اور اخباری بیان میں آزاد کشمیر کے عبوری چیف ایگزیکٹو سردار محمد اشرف خان نے کہا کہ ''میں آئین و قانون کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اقتدار جلد ہی عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل کر دوں گا، میں ایک جج ہوں، آئین اور قانون کا پابند ہوں، سیاست کرنا میرا کام نہیں''۔[108]

صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر بحیثیت قائمقام صدرِ آزاد کشمیر ۲۰ جولائی ۔۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء

صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر بحیثیت قائم مقام صدر آزاد کشمیر ۲۰ جولائی ۱۹۹۱ء سے ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔[109]

۱۹ جولائی ۱۹۹۱ء کو سردار قیوم آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے ۲۰ جولائی ۱۹۹۱ء کو قانون ساز اسمبلی کی ۸ مخصوص نشستوں میں سے دو نشستوں علماء و مشائخ اور ٹیکنوکریٹ کے لیے کاغذات جمع کروائے۔ انہیں نام واپس لینے کی آخری تاریخ کو ایک نشست سے نام واپس لینا تھا۔ سردار قیوم کے استعفیٰ دینے کے بعد اسپیکر اسمبلی صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر نے آزاد کشمیر کے صدر کے فرائض سنبھالے۔ نئے اسپیکر کا انتخاب ۲۹ جولائی کو متوقع تھا۔ صاحبزادہ اسحٰق ظفر نے نو منتخب ارکان اسمبلی سے حلف لینا تھا اور بعد میں نئے منتخب ہونے والے اسپیکر سے حلف لے کر اسپیکر کے فرائض اسے سونپ دینے تھے۔ چنانچہ وہ نئے اسپیکر کے انتخاب تک اسپیکر اور صدرِ آزاد کشمیر کے عہدوں پر فائز رہے۔[110]

مسلم کانفرنس کی حکومت ۱۹۹۱ء۔ ۱۹۹۶ء

وزیراعظم آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان ۱۹۹۱ء۔ ۱۹۹۶ء

سردار محمد عبدالقیوم خان ۲۹جولائی ۱۹۹۱ء سے[111] ۲۹جولائی ۱۹۹۶ء تک وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز رہے۔[112]

آزاد کشمیر میں ۲۹جون ۱۹۹۱ء کو منعقد ہونے والے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔[113] آزاد کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کے لیے سردارقیوم اور سکندر حیات دونوں امیدوار تھے۔ مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی نے اپنے لیڈر کو اتفاقِ رائے سے منتخب کرنے میں ناکام ہونے کے بعد کثرت رائے سے سردار قیوم کو پارلیمانی لیڈر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔[114] سردار قیوم مسلم کانفرنس کے صدر بھی تھے۔ پارلیمانی پارٹی کے اس فیصلے کی ۱۱جولائی کو مسلم کانفرنس کی مرکزی مجلس نے توثیق کی[115] چنانچہ سردار قیوم نے ۱۹جولائی کو آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور علماء و مشائخ کی نشست سے اسمبلی کی ممبر شپ کے لیے بلامقابلہ کامیاب ہوئے۔[116] سردارقیوم کو ۲۹جولائی ۱۹۹۱ء کو آزاد کشمیر اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ ان کے مقابلے میں کسی دوسرے امیدوار نے کاغذات نامزدگی نہیں جمع کرائے تھے۔ لہٰذا وہ بلامقابلہ منتخب ہوئے۔ سردارقیوم درمیانی مدت کے انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسمبلی کے ذریعے منتخب ہوئے۔

اس سے پہلے عبدالرشید عباسی بلامقابلہ سپیکر اسمبلی منتخب ہوئے۔ قاعدے کی روسے اسمبلی کے اجلاس کی صدارت سبکدوش ہونے والے اسپیکر صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر نے کرنی تھی، لیکن وہ موجود نہ تھے۔ سردار قیوم نے اس صورتحال کے پیش نظر مستعفی ہونے سے قبل ۱۶جولائی کو اسمبلی کے قواعدوانضباطِ کارکردگی دفعہ ۵ کی شق ۱ کے تحت حلف لینے کے لیے راجہ ذوالقرنین کو نامزد کیا تھا۔ چونکہ سردار قیوم کے اس حکم کو صاحبزادہ اسحٰق ظفر نے قائمقام صدر مقرر ہونے کے بعد منسوخ نہیں کیا تھا چنانچہ راجہ ذوالقرنین نے اسی حکم کے تحت اجلاس کی صدارت کی۔ انہوں نے پہلے خود حلف اٹھایا اور بعدازاں دیگر حاضر ۳۷ ارکان سے حلف لیا۔ سردارقیوم نے ۲۹ جولائی کو منتخب ہونے کے بعد وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ آزاد کشمیر اسمبلی کے سپیکر عبدالرشید عباسی جو بلحاظ عہدہ قائم مقام صدر بھی تھے نے ان سے حلف لیا۔[117] ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء کو سردارقیوم نے اپنی ۱۳ رکنی کابینہ تشکیل دی۔[118]

وزیراعظم آزاد کشمیر سردار قیوم خان نے آزاد کشمیر کی حزبِ اختلاف کو مذاکرات کی دعوت دی اور کہا ہم اپوزیشن سے گفت و شنید سے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ اپوزیشن کے وقار کا پورا

تحفظ کیا جائے گا۔[119]

عبدالرشید عباسی بحیثیت قائمقام صدر آزاد کشمیر ۲۹ جولائی۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۱ء

عبدالرشید عباسی آزاد کشمیر کے قائمقام صدر کی حیثیت سے ۲۹ جولائی ۱۹۹۱ء سے ۱۱ اگست ۱۹۹۱ء تک فرائض انجام دیتے رہے۔[120]

آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے نو منتخب سپیکر عبدالرشید عباسی نے ۲۹ جولائی کو منتخب ہونے کے بعد آزاد کشمیر کے صدر کے فرائض بھی سنبھالے۔ وہ صاحبزادہ اسحٰق ظفر کی جگہ نئے صدر کے انتخاب تک صدرِ آزاد کشمیر کے منصب پر فائز رہے۔[121]

صدرِ آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان ۱۹۹۱ء۔ ۱۹۹۶ء

سردار سکندر حیات خان ۱۲ اگست ۱۹۹۱ء سے ۱۱ مئی ۱۹۹۶ء تک اور پھر ۲۳ مئی ۱۹۹۶ء سے ۱۱ اگست ۱۹۹۶ء تک آزاد کشمیر کی صدارت کے منصب پر فائز رہے۔[122]

سردار سکندر حیات پہلے وزارت عظمیٰ کے امیدوار تھے۔ چنانچہ ۱۱ جولائی کو مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں انہیں صدر نامزد کیا گیا اور بعد میں مسلم کانفرنس کی مرکزی مجلس عاملہ نے اس کی توثیق کی۔[123] چنانچہ آزاد کشمیر کے صدارتی انتخاب میں سردار سکندر حیات کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ وہ واحد صدارتی امیدوار تھے ان کے مقابلے میں کسی دوسرے امیدوار نے کاغذات نامزدگی نہیں داخل کرائے تھے لیکن اس کے باوجود متعلقہ قانون اور قواعد و ضوابط کے تحت ۱۱ اگست کو پولنگ ہوئی۔ پولنگ میں قانون ساز اسمبلی اور آزاد جموں و کشمیر کونسل کے منتخب ارکان نے حصہ لیا۔ ان دونوں اداروں کے مجموعی ارکان کی تعداد ۵۴ تھی۔ کونسل کے انچارج وفاقی وزیر (وزیرِ امورِ کشمیر) نے بھی ووٹ کا استعمال کیا۔ صدرِ آزاد کشمیر سکندر حیات نے ۱۲ اگست ۱۹۹۱ء کو حلف اٹھایا۔[124]

یکم فروری ۱۹۹۵ء کو سکندر حیات نے وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کو ایک خط لکھا، جس میں حکومتی امور سے متعلق ان کی ناقص کارکردگی کی نشاندہی کرتے ہوئے انہیں اصلاح کی تلقین کی۔ سکندر حیات نے ان سے کہا کہ ان کی حکومت کو قائم ہوئے تین سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اس دوران تحریک آزادیٔ کشمیر، آزاد کشمیر کے آئینی، انتظامی، مالی اور تعمیر و ترقی کے معاملات میں ناقص کارکردگی کے باعث آزاد کشمیر کے عوام اضطراب اور مایوسی سے دوچار ہوئے ہیں۔ ایسے اقدامات جماعتی اور قومی و ملکی مفادات کے حق میں بھی نہیں ہیں۔ سکندر حیات اس سے پہلے دیگر ذرائع سے

انہیں خبردار کر چکے تھے۔ سردار قیوم ان کی تنقید کو مثبت انداز میں لینے کے بجائے یہ سمجھے کہ سکندر حیات جماعت اور ان کی حکومت سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں۔ سکندر حیات کا کہنا تھا کہ بحیثیت صدر حکومتی ناقص کارکردگی کی نشاندہی کرنا ان کا اخلاقی و دستوری فرض ہے۔[۱۲۵] انہوں نے مسلم کانفرنس میں صدر کا عہدہ موجود ہونے کے باوجود سردار عتیق (سردار قیوم کے بیٹے) کو جماعت کا چیف آرگنائزر نامزد کرنے پر تنقید کی۔ وزیراعظم کے انتظامی معاملات میں سردار عتیق کی بے جا مداخلت اور حکومت میں کوئی عہدہ نہ رکھنے کے باوجود سردار عتیق کا مختلف انتظامی امور سے متعلق میٹنگوں کی صدارت کرنا، مختلف اضلاع کے دوروں کے دوران وزیراعظم جیسا پروٹوکول حاصل کرنا وغیرہ- آئین اور رولز آف بزنس کے مطابق صدر اور وزیراعظم کے اختیارات، پروٹوکول اور مراعات کا حق صرف ان عہدوں پر فائز اشخاص کو ہے۔ اس سلسلے میں آئین اور قانون کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔[۱۲۶]

آزاد کشمیر مالی بحران سے دوچار ہے۔ غیر ترقیاتی بجٹ میں ترقیاتی بجٹ کی نسبت کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ بینکوں سے ایڈوانس ڈرافٹ اور آزاد جموں وکشمیر کونسل سے پیشگی گرانٹ لے کر ملازمین کی تنخواہوں کے بقایا جات ادا کیے جاتے ہیں۔ ملازمین بروقت تنخواہ نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں۔ واپڈا کے بلوں کی عدم ادائیگی کی وجہ سے کئی اضلاع کی بجلی معطل کر دی گئی ہے۔ اخبارات میں ان خبروں سے حکومت آزاد کشمیر کے وقار کو نقصان پہنچا ہے۔ ہیلی کاپٹر کا غیر ضروری استعمال، ۱۲ کروڑ روپے سے ایک نیا ہیلی کاپٹر خریدنے کے منصوبے پر بھی تنقید کی گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ سابقہ حکومتوں کی نسبت اس حکومت کی بڑی کابینہ کے علاوہ خاصی تعداد میں مشیران حکومت کا تقرر بھی خزانے پر بوجھ ہے۔

آزاد کشمیر کا دارلحکومت مظفرآباد میں ہونے کے باوجود کابینہ کے اجلاس اور دیگر اجلاس بھی اسلام آباد میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انتظامیہ اور ذمہ دار افسران اسلام آباد میں زیادہ وقت گزارتے ہیں، جو کہ بجٹ پر بوجھ کا باعث ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ فنڈ سے متعلق امور شفاف طریقے سے نہ انجام پانے کی وجہ سے چیئرمین زکوٰۃ کونسل جسٹس رحیم داد شاہ نے استعفیٰ دے دیا۔ قانوناً جن معاملات کی اطلاعات صدر کو پہنچانی ضروری ہوتی ہیں وہ نہیں پہنچائی جاتیں۔ لبریشن سیل جو کہ آزادی کشمیر کی تقویت کے لیے قائم کیا گیا تھا اس کے فنڈز کا ناجائز استعمال کیا گیا۔ انہوں نے سردار عتیق کو لبریشن سیل کا وائس چیئرمین بنانے پر بھی تنقید کی۔[۱۲۷]

سکندر حیات نے یہ اعتراض بھی کیا کہ سردار قیوم نے بیرون ممالک دوروں کے دوران

خودمختار کشمیر کی حمایت میں بیانات دیئے۔ جس کا ملکی اخبارات نے بھی نوٹس لیا۔ بحیثیت وزیراعظم سردارقیوم نے اپنے حلف کے دوران الحاق پاکستان سے وفاداری کی یقین دہانی کرائی ہے، اس کے باوجود خودمختار کشمیر کی حمایتی تنظیموں کو فنڈز فراہم کیے گئے ہیں۔ خودمختار کشمیر کی بات اور فنڈز کی فراہمی یہ حلف کی خلاف ورزی ہے۔

انہوں نے پاکستان کی اندرونی سیاست میں سردارقیوم کی مداخلت پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ تحریک آزادیٔ کشمیر کے لیے کشمیریوں کو پوری پاکستانی قوم کی حمایت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سردارقیوم کا یہ عمل تحریک آزادیٔ کشمیر کے لیے سود مند نہیں ہے۔[۱۲۸] سکندر حیات نے بحیثیت صدرِ آزاد کشمیر انہیں مذکورہ کوتاہیوں کے سلسلے میں اصلاح کی ہدایت کی۔ بصورت دیگر انہیں وزارتِ عظمٰی کے عہدے سے مستعفی ہونے کے لیے کہا۔[۱۲۹]

وہ ۴ سال ۹ ماہ اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد ۱۱ مئی ۱۹۹۶ء کو آزاد کشمیر کی صدرت سے مستعفی ہو گئے۔[۱۳۰]

عبدالرشید عباسی بحیثیت قائمقام صدرِ آزاد کشمیر بار دوم ۱۲مئی۔ ۲۲مئی ۱۹۹۶ء

عبدالرشید عباسی ۱۲ مئی ۱۹۹۶ء سے ۲۲مئی ۱۹۹۶ء تک قائمقام صدر آزاد کشمیر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔[۱۳۱]

آزاد کشمیر کے قائمقام صدر عبدالرشید عباسی نے ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء کو اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ آزاد کشمیر میں صدارتی انتخابات ہر صورت ۲۲مئی کو ہو گا۔ ان کا کہنا تھا کہ آئین کے مطابق صدارتی انتخاب ۳۰ دن کے اندر ہو رہا ہے اور یہ سو فیصد آئینی اقدام ہے۔[۱۳۲] چیف الیکشن کمشنر آزاد جموں و کشمیر جسٹس (ریٹائرڈ) سردار محمد اشرف خان نے آزاد کشمیر کے صدارتی انتخاب کے شیڈول کا اعلان کیا۔ جس کے مطابق صدر کا انتخاب ۲۲ مئی کو ہونا تھا۔[۱۳۳]

آزاد کشمیر کے سابق اسپیکر اور پیپلز پارٹی کے راہنما صاحبزادہ اسحٰق ظفر نے ۲۲مئی کو ہونے والے صدارتی انتخابات کو چیلنج کرتے ہوئے ۱۹مئی کو آزاد کشمیر ہائیکورٹ میں رٹ درخواست دائر کی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ قانون ساز اسمبلی کی مدت ۲۸جولائی کو ختم ہو رہی ہے اور چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے ۳۰جون کو عام انتخابات کے لیے شیڈول جاری کیا جا چکا ہے، جبکہ صدر کے عہدے کا انتخاب ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا۔ اور انہوں نے ۱۲ اگست کو اپنے عہدے کا حلف اٹھایا تھا۔ چنانچہ سابق

صدر کے عہدے کی مدت صرف ۲ ماہ رہتی تھی اور انہوں نے استعفیٰ دے دیا جو منظور بھی کر لیا گیا۔ موجودہ اسمبلی جس کی اپنی مدت تقریباً ختم ہو چکی ہے اور جب عام انتخابات کا شیڈول بھی جاری ہو چکا ہے تو یہ مزید ۵سال کے لیے صدر کا انتخاب کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ قائمقام صدر نئے صدر کے انتخاب تک اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس لیے نئی اسمبلی کے الیکشن تک یہ سارا عمل قانون کے منافی ہے۔ رٹ درخواست میں اپیل کی گئی تھی کہ صدارتی انتخاب کے عمل کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے رٹ درخواست کے فیصلہ تک حکم امتناعی جاری کیا جائے۔[۱۳۴] آزاد کشمیر کے صدارتی انتخاب کے خلاف ہائیکورٹ میں دائر رٹ درخواستوں کی تعداد تین تھی۔[۱۳۵]

سردار سکندر حیات خان دوبارہ صدر آزاد کشمیر ۲۳مئی۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۶ء

سردار سکندر حیات خان ۲۳ مئی ۱۹۹۶ء کو دوبارہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۱ اگست ۱۹۹۶ء تک برسراقتدار رہے۔[۱۳۶]

آزاد کشمیر کے آئندہ صدر کے لیے مسلم کانفرنس نے ۲۱مئی کو سردار سکندر حیات کے کاغذات نامزدگی جمع کروائے۔ آزاد کشمیر اسمبلی کے ارکان نے سکندر حیات کے الگ الگ چھ کاغذات داخل کروائے۔ کاغذات نامزدگی میں وزیراعظم آزاد کشمیر سردار قیوم کی طرف سے سکندر حیات کو صدارتی امیدوار تجویز کیا گیا تھا۔ سپیکر اسمبلی عبدالرشید عباسی نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ دو وزراء نے بھی صدارتی امیدوار کی حیثیت سے کاغذات نامزدگی جمع کروائے۔ اپوزیشن کی طرف سے کوئی صدارتی امیدوار نامزد نہیں کیا گیا تھا۔[۱۳۷]

آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے فل بنچ نے صدارتی انتخاب کے خلاف رٹ درخواستیں خارج کر دیں اور موجودہ اسمبلی کے ذریعے صدر کے انتخاب کو آئینی تقاضا قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ آئین کی رو سے صدارتی انتخاب میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ رٹ درخواستوں کی سماعت چیف جسٹس خواجہ محمد سعید، جسٹس سیّد منظور حسین گیلانی، جسٹس چوہدری تاج محمد اور جسٹس محمد صدیق فاروقی پر مشتمل فل کورٹ نے کی۔

۲۲ مئی کو عدالتی فیصلے کے بعد ووٹنگ ہوئی، جس میں قانون ساز اسمبلی اور آزاد جموں و کشمیر کونسل کے منتخب ارکان نے حصہ لیا اور سردار سکندر حیات دوبارہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے۔[۱۳۸]

آزاد کشمیر کے چیف الیکشن کمشنر جسٹس (ریٹائرڈ) سردار محمد اشرف خان نے ۱۵مئی ۱۹۹۶ء کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کے لیے شیڈول کا اعلان کیا تھا، جس کے مطابق ۳۰جون کو

پولنگ ہونا تھی، جبکہ ۱۵ جولائی تک کامیاب امیدواروں کے ناموں کا نوٹیفکیشن جاری کیا جانا تھا اور ۳۰ جولائی کو نئی اسمبلی کے اجلاس کا انعقاد ہونا تھا۔ سردار اشرف کا کہنا تھا کہ آئین کی دفعہ ۲۲ کی ذیلی نمبر۳ کی رو سے اسمبلی کی مدت ۵ سال ہے۔ بشرطیکہ اسے قبل از وقت توڑا نہ جائے۔ اس شرط کے مطابق موجودہ اسمبلی کی مدت ۲۹ جولائی کو پوری ہو رہی ہے۔[۱۳۹] وزیراعظم آزاد کشمیر سردار قیوم نے آزاد کشمیر کے عام انتخابات فوج کی نگرانی میں کروانے کا فیصلہ کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ''وہ چیف الیکشن کمشنر سے کہیں گے کہ وہ پاک فوج سے رابطہ کر کے اسے انتخابات کی نگرانی کے لیے کہیں کیونکہ عوام میں بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی ہے اور امن و امان کی صورتحال قائم رکھنے اور لوگوں کو اپنی مرضی سے ووٹ استعمال کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ آزاد کشمیر اور پاکستان میں مہاجرین جموں و کشمیر کے ۱۲ حلقوں میں انتخابات کی نگرانی فوج کرے''۔[۱۴۰]

آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے ۴۰ ارکان کے انتخابات کے لیے ۳۰ جون کو آزاد کشمیر اور مہاجرین جموں و کشمیر مقیم پاکستان نے ووٹ ڈالے۔[۱۴۱] ان انتخابات میں آزاد کشمیر کے عوام نے مسلم کانفرنس کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ دیا۔[۱۴۲]

اس کے بعد آزاد جموں و کشمیر کے وزراء کا اجلاس وزیراعظم آزاد کشمیر سردار قیوم کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں صدرِ آزاد کشمیر سکندر حیات بھی شریک ہوئے۔ اجلاس میں آزاد کشمیر میں ہونے والے انتخابات میں دھاندلی کا الزام عائد کرتے ہوئے وزراء نے مطالبہ کیا کہ انہیں مسترد کر کے دوبارہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروائے جائیں۔[۱۴۳] آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے آزاد کشمیر کے حالیہ انتخابات کو مسترد کر دیا۔ مسلم کانفرنس کی مرکزی مجلس عاملہ کا ہنگامی اجلاس ہوا جس کی صدارت مسلم کانفرنس کے صدر اور وزیراعظم آزاد کشمیر سردار قیوم نے کی۔ اجلاس میں صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان، وزراء، ممبران اسمبلی و کشمیر کونسل شریک تھے۔ اس اجلاس میں انتخابات کو کالعدم قرار دے کر فوج کی نگرانی میں دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔[۱۴۴]

نئی اسمبلی وجود میں آنے کے بعد ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کو آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی و کونسل کا مشترکہ اجلاس سپیکر راجہ ممتاز حسین راٹھور کی زیرِ صدارت ہوا۔ جس میں صدرِ آزاد کشمیر سکندر حیات خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی جو کہ کامیاب ہو گئی اور سردار سکندر حیات خان آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے سے ہٹا دیئے گئے۔[۱۴۵]

پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کی حکومت ۱۹۹۶۔ ۲۰۰۱ء

وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود چوہدری ۱۹۹۶ء۔ ۲۰۰۱ء

بیرسٹر سلطان محمود چوہدری بحیثیت وزیراعظم آزاد کشمیر ۳۰ جولائی ۱۹۹۶ء سے[146] ۴ جولائی ۲۰۰۱ء تک برسراقتدار رہے۔ ۴ جولائی کو وزیراعظم بیرسٹر سلطان محمود نے آزاد کشمیر اسمبلی کو توڑتے ہوئے تمام اختیارات چیف الیکشن کمشنر کو سونپ دیئے۔[147]

۳۰ جون ۱۹۹۶ء کو منعقد ہونے والے انتخابات میں پیپلز پارٹی نے عوامی مینڈیٹ حاصل کیا۔[148] پیپلز پارٹی نے بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کو اپنا پارلیمانی لیڈر منتخب کیا اور ۳۰ جولائی ۱۹۹۶ء کو انہوں نے وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا۔ ۳۱ جولائی کو ۹ ارکان پر مشتمل کابینہ نے حلف اٹھایا۔ صدرِ آزاد کشمیر سردار سکندر حیات نے وزراء سے حلف لیا۔ صاحبزادہ محمد اسحٰق ظفر سینئر وزیر بنائے گئے۔[149]

راجہ ممتاز حسین راٹھور بحیثیت قائمقام صدرِآزاد کشمیر ۱۲ اگست۔ ۲۴ اگست ۱۹۹۶ء

راجہ ممتاز حسین راٹھور ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء سے ۲۴ اگست ۱۹۹۶ء تک آزاد کشمیر کے قائمقام صدر کے فرائض انجام دیتے رہے۔[150]

۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کو آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی و کونسل کا مشترکہ اجلاس سپیکر اسمبلی راجہ ممتاز حسین راٹھور کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی جو کہ کامیاب ہوگئی اور وہ آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے سے ہٹا دیئے گئے۔ ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کو آزاد کشمیر کے وزیراعظم بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ وہ اقتدار میں آ کر صدر کے خلاف عدم اعتماد کریں گے۔ عدم اعتماد اس لیے نہیں کیا گیا کہ سکندر حیات کا تعلق مسلم کانفرنس سے تھا بلکہ ان کے انتخاب کا طریقہ غلط تھا۔[151] سابق سپیکر عبدالرشید عباسی کا کہنا تھا کہ صدر سکندر حیات کا انتخاب پانچ سال کے لیے ہوا تھا اور ان کے انتخاب کو عدلیہ نے بھی درست قراردیا تھا۔ بغیر کسی آئینی و اخلاقی جواز کے محض عددی اکثریت کے بل بوتے پر صدر کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ جبکہ حکمران جماعت پیپلز پارٹی کا موقف تھا کہ جو اسمبلی خود ۵سال کے لیے منتخب ہوئی ہو وہ صدر کا انتخاب ۱۰سال کے لیے کس طرح کرسکتی ہے اور آزاد کشمیر میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہے اس لیے صدر کے

منصب پر بھی وہی شخص ہونا چاہیے جسے نئی اسمبلی کا اعتماد حاصل ہو۔۱۵۲

چنانچہ نئے صدر کے انتخاب تک سپیکر اسمبلی راجہ ممتاز حسین راٹھور نے آزاد کشمیر کے قائمقام صدر کے فرائض سنبھالے۔۱۵۳

صدرِ آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خان ۱۹۹۶ء- ۲۰۰۱ء

سردار محمد ابراہیم خان ۲۵ اگست۱۹۹۶ء سے ۲۴ ۱۴۶ اگست۲۰۰۱ء تک بحیثیت صدر آزاد کشمیر اپنے منصب پر فائز رہے۔۱۵۴

وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود نے سابق صدر سکندر حیات کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی منظوری کے بعد اپنے ایک اخباری بیان میں سردار ابراہیم کا بطور صدارتی امیدوار اعلان کیا۔۱۵۵ سردار ابراہیم واحد صدارتی امیدوار تھے۔ ان کے مقابلے میں کسی نے کاغذات نامزدگی نہیں جمع کروائے۔۱۵۶ ۲۵ اگست ۱۹۹۶ء کو آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی اور کشمیر کونسل کے مشترکہ اجلاس میں سردار ابراہیم کو پانچ سال کے لیے آزاد کشمیر کا صدر منتخب کیا گیا۔ وفاقی وزیر امورِ کشمیر نے ووٹ کاسٹ نہیں کیا۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے اراکین اسمبلی نے صدر کے انتخاب کی کارروائی کا بائیکاٹ کیا۔ اس مرتبہ سردار ابراہیم ۸۱ برس کی عمر میں پانچویں مرتبہ آزاد کشمیر کی صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ آزاد کشمیر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سردار سید محمد خان نے سردار ابراہیم سے صدر کے عہدے کا حلف لیا۔۱۵۷

وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود نے اپنی مدت پوری کرنے کے بعد آزاد کشمیر میں عام انتخابات جون ۲۰۰۱ء میں کرانے کا اعلان کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ انتخابات کے بروقت انعقاد کے لیے وفاق، سیاسی قیادت اور چیف الیکشن کمشنر سے مشورہ کر لیا گیا ہے۔ ۱۵۸

انتخابات سے قبل بیرسٹر سلطان محمود نے آزاد کشمیر اسمبلی اور کابینہ توڑ دی اور تمام اختیارات چیف الیکشن کمشنر کو دے دیئے۔۱۵۹ بیرسٹر سلطان محمود کا کہنا تھا کہ نئے انتخابات کے انعقاد پر اسمبلی توڑنا آئینی ضرورت تھی۔ آزاد کشمیر میں شفاف انتخابات کے انعقاد کے لیے ضروری تھا کہ ۵ جولائی ۲۰۰۱ء کو جب پولنگ ہو تو سب برابر ہوں کوئی اسمبلی ممبر ہونے کا فائدہ نہ اٹھائے۔ ۱۶۰

قانون ساز اسمبلی کی ۴۰ نشستوں کے لیے ۵ جولائی ۲۰۰۱ء کو پولنگ ہوئی۔ آزاد کشمیر کے یہ انتخابات اپنی آئینی مدت کے اندر اور مقررہ وقت پر ہوئے۔۱۶۱ حکمران جماعت پیپلز پارٹی اور اپوزیشن

کی بڑی جماعت مسلم کانفرنس کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا۔[۱۶۲] ان انتخابات میں مسلم کانفرنس کو برتری حاصل ہوئی۔[۱۶۳]

مسلم کانفرنس کی حکومت ۲۰۰۱ء۔ ۲۰۰۶ء

وزیراعظم آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان ۲۰۰۱ء۔ ۲۰۰۶ء

سردار سکندر حیات خان بحیثیت وزیرِاعظم آزاد کشمیر ۲۵ جولائی ۲۰۰۱ء کو اس منصب پر فائز ہوئے۔[۱۶۴]

جولائی ۲۰۰۱ء میں منعقد ہونے والے انتخابات میں مسلم کانفرنس نے حکومت سازی کے لیے اکثریت حاصل کی۔[۱۶۵] مسلم کانفرنس کے قائد سردار قیوم نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ ''مسلم کانفرنس وفاقی حکومت اور عسکری قیادت سے مشورہ کرنے کے بعد حکومت سازی کے بارے میں حتمی فیصلہ کرے گی''۔[۱۶۶] چنانچہ مسلم کانفرنس نے سکندر حیات کو آزاد کشمیر کی وزارتِ عظمیٰ کا امیدوار نامزد کیا اور مسلم کانفرنس کے صدر سردار قیوم نے اس کی توثیق کی۔[۱۶۷]

آزاد جموں و کشمیر قانون ساز اسمبلی میں وزیراعظم، سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے انتخابات ۲۴ جولائی ۲۰۰۱ء کو منعقد ہوئے۔ سردار سکندر حیات وزیراعظم منتخب ہوئے جبکہ سردار سیاب خالد سپیکر اور ثناء اللہ قادری ڈپٹی سپیکر منتخب ہوئے۔ سکندر حیات نے ۲۵ جولائی کو وزیراعظم آزاد کشمیر کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ صدرِ آزاد کشمیر سردار ابراہیم نے ان سے حلف لیا۔[۱۶۸]

صدرِ آزاد کشمیر میجر جنرل (ر) سردار محمد انور خان ۲۰۰۱ء۔ ۲۰۰۶ء

برسرِاقتدار پارٹی مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کا اجلاس ۲۸ جولائی ۲۰۰۱ء کو ہوا۔ اس اجلاس میں سردار قیوم کی قیادت پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے ان سے صدرِ ریاست (آزاد کشمیر) کے عہدہ کے لیے انتخاب لڑنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن سردار قیوم اس کے لیے رضامند نہ ہوئے۔[۱۶۹] چنانچہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی قیادت نے میجر جنرل سردار محمد انور خان کو صدارتی امیدوار نامزد کیا۔

سردار انور کا تعلق پونچھ (آزاد کشمیر) کے گاؤں سملوٹی (ٹائیں) سے تھا چنانچہ انہوں نے فوج سے استعفیٰ دے دیا۔[۱۷۰] اور یکم اگست ۲۰۰۱ء کو آئندہ پانچ سال کے لیے آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے۔ آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے ۴۸ ارکان اور کشمیر کونسل کے ۶ ممبران کو ملا کر کل ۵۵ میں سے ۵۴ ووٹ کاسٹ ہوئے۔ اپوزیشن کے چوہدری عبدالمجید بیرون ملک دورہ پر ہونے کے باعث ووٹنگ

کے عمل میں شرکت نہ کر سکے۔ میجر جنرل (ر) انور خان ۳۶ ووٹ حاصل کر کے صدرِ آزاد کشمیر کے عہدہ کے لیے کامیاب قرار پائے، جبکہ ان کے مدمقابل پیپلز پارٹی کے چوہدری لطیف اکبر کے حق میں ۱۸ ووٹ ڈالے۔[۱۷۱] نئے صدر کے لیے طے پایا تھا کہ وہ ۲۵ اگست۲۰۰۱ء کو حلف اٹھائیں گے، جبکہ۲۴ اگست ۲۰۰۱ء تک سردار ابراہیم صدرِ آزاد کشمیر کے منصب پر بدستور قائم رہیں گے۔[۱۷۲]

سابقہ اسمبلی کی مُدت پوری ہونے کے بعد ۱۱ جولائی ۲۰۰۶ء کو آزاد کشمیر میں عام انتخابات ہوئے۔ ان میں مسلم کانفرنس نے کامیابی حاصل کی۔ وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر سردار عتیق احمد خان فائز ہوئے۔ اُنہوں نے ۲۴ جولائی ۲۰۰۶ء کو اپنے عہدے کا حلف لیا۔ ۲۵ اگست ۲۰۰۶ء کو راجہ ذوالقرنین حیدر آزاد کشمیر کی صدارت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اس سے قبل ۷ اگست (۲۰۰۶ء) کو ۱۶ رکنی کابینہ نے حلف اُٹھایا۔[۱۷۳]

حوالہ جات

۱- V.P. Menon, *The Story of the Integration of the Indian States*, Afno Press, New York, 1972, p. 375.

۲- قدرت اللہ شہاب، *شہاب نامہ*، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۷ء، ص۳۵۵۔

۳- Menon, *The Story of the Integration of the Indian States, op.cit.*, pp. 394-397.

۴- صادق زاہد، *قیامِ پاکستان کا مقدمہ، تاریخ کی عدالت میں*، لاہور، گنج شکر پرنٹرز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۶۔

۵- مرزا شفیق حسین، *آزاد کشمیر، ایک سیاسی جائزہ ۱۹۴۷ء-۱۹۷۵ء*، اسلام آباد، این آئی ایچ سی آر، ۱۹۹۰ء، ص۱۱۶۔

۶- ایضاً، ص۲۷۵۔

۷- ایضاً، ص۲۹۷۔

۸- ایضاً، ص ص۳۶۶-۳۶۷۔

۹- ایضاً، ص ص۳۸۸-۳۸۹۔

۱۰- ایضاً، ص ص۵۱۷-۵۱۸۔

۱۱- غازی محمد امیر، بحوالہ سابقہ، ص ص۳۴۵-۳۵۳۔

۱۲- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۷۰۔

۱۳- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۱۸-۵۲۱۔
۱۴- سعود ساحر، ''سردار عبدالقیوم خان جیل پہنچ گئے''، ہفت روزہ *طاہر* (لاہور)، ۱۷ تا ۲۳ مئی ۱۹۷۶ء، ص ۴۔
۱۵- طارق محمود طارق، ''آزاد کشمیر کی اَن سُنی کہانی''، ہفت روزہ *زندگی*، لاہور ۵ تا ۱۱ ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۸۔
۱۶- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ۵۲۴۔
۱۷- 'نظر بندی کے بعد، نظربندی کے خلاف فیصلہ' (آزاد کشمیر نمائندہ خصوصی کی رپورٹ)، ہفت روزہ *اسلامی جمہوریہ*، لاہور، ۱۶ تا ۲۰ نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۵۔
۱۸- سعود ساحر، 'سردار قیوم-سرخرو و سربلند اپنے عوام میں پہنچے'، ہفت روزہ *اسلامی جمہوریہ*، لاہور، ۴ تا ۱۰ جولائی ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۔
۱۹- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۲۲-۵۲۷۔
۲۰- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۲۔
۲۱- طارق محمود طارق، 'آزاد کشمیر کی اَن سُنی کہانی'، ہفت روزہ *زندگی*، لاہور، بحوالہ سابقہ، ص ص ۲۹-۳۰۔
۲۲- سعود ساحر، 'جعلی حکومت گئی، اصلی کے دن آئے'، ہفت روزہ *اسلامی جمہوریہ*، لاہور، ۲۲ تا ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء، ص ۱۵-
۲۳- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ۵۳۰۔
۲۴- ایضاً، ص ۵۳۲۔
۲۵- طارق محمود طارق، 'پیپلز پارٹی کے اقتدار کا سورج ڈوبنے کے بعد'، ہفت روزہ، *زندگی*، لاہور، ۱۹ تا ۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۴۳-
۲۶- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ۵۳۲۔
۲۷- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۵۔
۲۸- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ۵۳۲۔
۲۹- ایضاً، ص ۵۵۱۔
۳۰- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۳۲-۵۳۳۔
۳۱- طارق محمود طارق، 'آزاد کشمیر-نئی انتظامیہ نئے عزائم'، بحوالہ سابقہ۔

۳۲- طارق محمود طارق، 'نئی انتخابی فہرستیں بننا شروع ہوگئیں'، ہفت روزہ، زندگی، لاہور، ۲۷ جنوری تا ۲ فروری ۱۹۷۸ء، ص ۲۱۔
۳۳- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۸۹۔
۳۴- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۳۳-۵۳۵۔
۳۵- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۱۔
۳۶- طارق محمود طارق، 'آزاد کشمیر میں پندرہ منٹ کے آپریشن نے کیا گُل کھلائے؟'، بحوالہ سابقہ، ص ص ۲۱۔۲۲-
۳۷- طارق محمود طارق، 'آزاد کشمیر پر دولت کی بارش' (جنرل ضیاء الحق کے دورۂ آزاد کشمیر کی رُوداد)، ہفت روزہ، زندگی، لاہور، ۸ تا ۱۴ دسمبر ۱۹۷۸ء، ص ص ۳۱۔۳۳-
۳۸- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۳۵۔ ۵۳۶-
۳۹- شکیل رضا، 'سردار قیوم بتاتے ہیں-میں اپنے جُرم سے خوب آگاہ ہوں'، ہفت روزہ، زندگی، لاہور، ۲۳ تا ۲۹ جون ۱۹۷۸ء، ص ص ۹- ۱۰۔
۴۰- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۸۔
۴۱- 'وقار میں اضافہ' (اداریہ)، ہفت روزہ کشمیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۲ تا ۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ا۔
۴۲- آزاد کشمیر .... 'اصلاح و احوال کا مطالبہ' (کشیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشیر، راولپنڈی/ مظفرآباد، ا تا ۷ جون ۱۹۸۲ء، ص ا۔
۴۳- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۵۳۷۔
۴۴- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۵۴۳۔
۴۵- (ریٹائرڈ) میجر جنرل عبدالرحمٰن کو آزاد کشمیر کا سربراہ مقرر کر دیا گیا' (کشیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۱۸ تا ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ا۔
۴۶- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۴۴-۵۴۵۔
۴۷- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۳۹۰۔
۴۸- ملک عبدالرشید، 'آزاد جموں و کشمیر کے پانچ سال ایک نظر میں'، ہفت روزہ کشیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۳ تا ۹ اگست ۱۹۸۲ء، ص ۹۔
۴۹- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۴۵-۵۴۹۔

۵۰- 'آزاد کشمیر میں مہاجرین کو الاٹ شدہ جائیدادوں پر مالکانہ حقوق دینے کا فیصلہ' (کشمیر رپورٹ)، ہفت روزہ ، کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۱۷ تا ۲۳ فروری ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۔
۵۱- غازی محمد امیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۸۱- ۳۸۲۔
۵۲- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵۱۔
۵۳- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۴۰۱۔
۵۴- 'آزاد کشمیر میں انتخابات کا پروگرام سیاستدانوں کے مشورے سے طے کیا جائے گا (میجر جنرل عبدالرحمٰن)' (کشمیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۱۸ تا ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء، ص ۲۔
۵۵- 'صدرِ آزاد کشمیر باقاعدہ کابینہ تشکیل دیں گے' (کشمیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۱۵ تا ۲۱ فروری ۱۹۸۳ء، ص ۸۔
۵۶- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص۵۵۲۔ ۵۵۵۔
۵۷- نمائندہ کشمیر، 'آزاد کشمیر......متناسب نمائندگی'، ہفت روزہ کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۲ تا ۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء، ص ۱۔
۵۸- غازی محمد امیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۷۹۔
۵۹- 'آزاد کشمیر......متناسب نمائندگی' (اداریہ)، بحوالہ سابقہ، ص ۳۔
۶۰- 'آزاد کشمیر کے عام انتخابات' (اداریہ)، ہفت روزہ، کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۳۱ مارچ تا ۶ اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۔
۶۱- نمائندہ خصوصی، 'آزاد کشمیر میں انتخابات ۱۵ مئی کو ہونگے'، ہفت روزہ، کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۳۱مارچ تا ۱۶اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۔
۶۲- 'آزاد کشمیر کی رجسٹرڈ سیاسی جماعتیں' (کشمیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۳۱ مارچ تا ۶ اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۳۔
۶۳- نمائندہ خصوصی، 'آزاد جموں وکشمیر اسمبلی کے لئے انتخابی شیڈول کا اعلان کر دیا گیا'، ہفت روزہ، کشمیر، راولپنڈی/مظفرآباد، ۳۱ مارچ تا ۶ اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۷۔
۶۴- 'آزاد کشمیر کے عام انتخابات' (اداریہ)، بحوالہ سابقہ۔
۶۵- 'رجسٹریشن کے قانون پر عمل ہو گا، وفاقی وزیر امورِ کشمیر کا بیان' (کشمیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشمیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۳ تا ۱۰ جون۱۹۸۵ء، ص ۱۲-

۶۶- 'آزاد کشمیر کے عام انتخابات میں مسلم کانفرنس کی کامیابی' (اداریہ)، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۲۱ تا ۲۷ مئی ۱۹۸۵ء، ص ۳-

۶۷- 'تحریک عمل اور آزاد مسلم کانفرنس اظہار وجوہ کا نوٹس' (کشیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۳ تا ۱۰ جون ۱۹۸۵ء، ص ۱۲-

۶۸- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵۷-

۶۹- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ص ۴۰۱-۴۰۲-

۷۰- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۵۵۸-

۷۱- 'آزاد کشمیر کے منتخب وزیراعظم سردار سکندر حیات خان' (اداریہ)، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۲۵ جون تا یکم جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۳-

۷۲- نمائندہ خصوصی، 'مظفرآباد میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی پارلیمانی پارٹی کا اجلاس'، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۲۸ مئی تا ۳ جون ۱۹۸۵ء، ص ۸-

۷۳- نمائندہ خصوصی، 'سردار سکندر حیات کو آزاد کشمیر کا وزیراعظم منتخب کر لیا گیا'، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۱۸ تا ۲۴ جون ۱۹۸۵ء، ص ۸-

۷۳- خواجہ غلام احمد پنڈت، بحوالہ سابقہ، ص ۴۰۸-

۷۴- 'آزادجموں و کشمیر کی کابینہ، محکموں کی تقسیم'، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۶ تا ۱۲ اگست ۱۹۸۵ء، ص ۳-

۷۵- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۶۰۹-

۷۶- 'آزاد کشمیر کے نئے صدر سردار محمد عبدالقیوم خان ہونگے' (کشیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، ۲۳ تا ۲۹ جولائی ۱۹۸۵ء، ص ۱۲-

۷۷- 'عبدالقیوم آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے' (کشیر رپورٹ)، ہفت روزہ کشیر (راولپنڈی/مظفرآباد)، یکم تا ۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء، ص ۱-

۷۸- سیدمحمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۸۷-۵۸۹-

۷۹- ایضاً، ص ۶۰۲-

۸۰- ایضاً، ص ۶۰۷-

۸۱- محکمہ اطلاعات، آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر، سوئے منزل ایک سنگِ میل، (راولپنڈی: فیروز سنز، ت، ن) ص ۶۷-

۸۲- ایضاً، ص ص ۱۱۔ ۱۲-

۸۳- ایضاً، ص ص ۱۴۔ ۱۵-

۸۴- ایضاً، ص ص ۱۹۔ ۲۰-

۸۵- ایضاً، ص ص ۲۲۔ ۲۵-

۸۶- ایضاً، ص ص ۲۷۔ ۲۸-

۸۷- ایضاً، ص ۳۱-

۸۸- ایضاً، ص ۳۳-

۸۹- ایضاً، ص ۴۵-

۹۰- ایضاً، ص ۴۷-

۹۱- ایضاً، ص ص ۵۰۔ ۵۲-

۹۲- ایضاً، ص ۶۵-

۹۳- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۷۱۷۔ ۷۱۸-

۹۴- ایضاً، ص ۷۲۰-

۹۵- نصراللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۲-

۹۶- سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۵-

۹۷- ایضاً، ص ص ۷۲۰۔ ۷۲۳-

۹۸- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۰ جولائی ۱۹۹۱ء-

۹۹- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء-

۱۰۰- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۷۲۴۔ ۷۲۷-

۱۰۱- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۹ جون ۱۹۹۱ء-

۱۰۲- سید محمود آزاد، *تاریخ کشمیر*، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۶-

۱۰۳- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۳ جولائی ۱۹۹۱ء-

۱۰۴- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۱۹۹۱ء-

۱۰۵- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۴ جولائی ۱۹۹۱ء-

۱۰۶- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۰۷- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۶ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۰۸- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۷ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۰۹- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-

۱۱۰- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۰ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۰۱- سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۷-

۱۱۲- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۲-

۱۱۳- سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۶-

۱۱۴- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۱ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۱۵- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۱۶- سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۸-

۱۱۷- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۳۰ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۱۸- سید محمود آزاد، تاریخ کشمیر، بحوالہ سابقہ، ص ۷۲۹-

۱۱۹- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۹ اگست ۱۹۹۱ء۔

۱۲۰- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-

۱۲۱- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۳۰ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۲۲- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-

۱۲۳- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۲ جولائی ۱۹۹۱ء۔

۱۲۴- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۲ اگست ۱۹۹۱ء۔

۱۲۵- عارف شاہد، کیا پاکستان مسئلہ کشمیر کا فریق ہے؟، (ہجیرہ آزاد کشمیر: کشمیر ہسٹاریکل اینڈ ریسرچ سوسائٹی، ۱۹۹۱ء) ص ص ۱۸۳۔ ۱۸۴-

۱۲۶- ایضاً، ص ص ۱۸۶۔ ۱۸۸-

۱۲۷- ایضاً، ص ص ۱۹۲۔ ۱۹۶-

۱۲۸- ایضاً، ص ص ۱۹۸۔ ۱۹۹-

۱۲۹- ایضاً، ص ۲۰۱-

۱۳۰- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۲ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۱- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-
۱۳۲- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۷ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۳- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۸ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۴- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۰ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۵- روزنامہ جنگ' (راولپنڈی)، ۲۱ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۶- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-
۱۳۷- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۲ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۳۸- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۳مئی ۱۹۹۶ء
۱۳۹- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۱۶ مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۴۰- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۲۱مئی ۱۹۹۶ء۔
۱۴۱- روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، ۳۰جون۱۹۹۶ء۔
۱۴۲- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۱ اگست۱۹۹۶ء۔
۱۴۳- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۴ جولائی۱۹۹۶ء۔
۱۴۴- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۱۹۹۶ء۔
۱۴۵- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء۔
۱۴۶- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۲-
۱۴۷- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۲۰۰۱ء۔
۱۴۸- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۱ اگست ۱۹۹۶ء۔
۱۴۹- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، یکم اگست ۱۹۹۶ء۔
۱۵۰- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص۶۱-
۱۵۱- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء۔
۱۵۲- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۲ اگست ۱۹۹۶ء
۱۵۳- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء۔
۱۵۴- نصر اللہ خان ناصر و مشتاق حسین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ص ۶۱-

۱۵۵- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۳۱ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۵۶- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۳ اگست ۱۹۹۶ء۔

۱۵۷- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۵ اگست ۱۹۹۶ء۔

۱۵۸- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۶ اگست ۱۹۹۶ء۔

۱۵۹- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۳ اپریل ۲۰۰۱ء۔

۱۶۰- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۱- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۶ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۲- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۵ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۳- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۶ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۴- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۷ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۵- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۵ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۶- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۷ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۷- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۱۰ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۸- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۳ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۶۹- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۵ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۷۰- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲۹ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۷۱- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۳۰ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۷۲- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۲ اگست ۲۰۰۱ء۔

۱۷۳- روزنامہ نوائے وقت (راولپنڈی)، ۳۱ جولائی ۲۰۰۱ء۔

۱۷۴- شاہد محمود ڈوگر، *کون کیا ہے؟*، لاہور: ڈوگر پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۶۳-